الھدیٰ (210)

سورۃ النساء (آیات 69 تا 72)

ڈاکٹر اسرار احمد

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ﴿٦٩﴾ ذٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰهِ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ عَلِيْمًا ﴿٧٠﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا خُذُوْا حِذْرَكُمْ فَانْفِرُوْا ثُبَاتٍ اَوِ انْفِرُوْا جَمِيْعًا ﴿٧١﴾ وَاِنَّ مِنْكُمْ لَمَنْ لَّيُبَطِّئَنَّ ۚ فَاِنْ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالَ قَدْ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيَّ اِذْ لَمْ اَكُنْ مَّعَهُمْ شَهِيْدًا ﴿٧٢﴾

''اور جو لوگ اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرتے ہیں وہ (قیامت کے روز) اُن لوگوں کے ساتھ ہونگے جن پر اللہ نے بڑا فضل کیا یعنی انبیاء اور صدیقین اور شہداء اور نیک لوگ اور ان لوگوں کی رفاقت بہت ہی خوب ہے۔ یہ اللہ کا فضل ہے اور اللہ جاننے والا کافی ہے۔ مومنو! (جہاد کے لیے) ہتھیار لے لیا کرو پھر یا تو جماعت جماعت ہو کر نکلا کرو یا سب اکٹھے کوچ کیا کرو۔ اور بے شک تم میں کوئی ایسا بھی ہے کہ (عمداً) دیر لگاتا ہے پھر اگر تم پر کوئی مصیبت پڑ جائے تو کہتا ہے کہ اللہ نے مجھ پر بڑی مہربانی کی کہ میں ان میں موجود نہ تھا۔''

اطاعت رسول کے موضوع پر یہ عظیم ترین آیات ہیں' جن میں بتایا گیا ہے کہ جو لوگ اللہ کی اور رسول ﷺ کی اطاعت کریں گے انہیں اُن لوگوں کی رفاقت حاصل ہوگی جن پر اللہ کا انعام ہوا۔ یہ لوگ انبیاء کرام' صدیقین عظام' شہدائے اسلام اور صالحین امت ہیں' جو یقیناً رفاقت کے لیے بہت اچھے یہ لوگ ہیں۔

سورۃ الفاتحہ میں بندہ رب سے دعا مانگتا ہے کہ اے اللہ تو ہمیں سیدھی راہ پر چلا' اُن لوگوں کی راہ پر جن پر تو نے انعام کیا۔ یہاں اُن انعام یافتہ لوگوں کی وضاحت کر دی گئی ہے۔ انعام یافتہ لوگوں میں ایک تو نیک نیت' اچھے کردار و اخلاق کے حامل مسلمان ہیں' جو اوامر پر عمل کر رہے ہیں اور محرمات سے بچے ہوتے ہیں۔ دوسرے ان سے بلند درجہ لوگ شہداء ہیں' پھر ان سے بھی اوپر درجہ صدیقین کا ہے' اور سب سے اعلیٰ مقام کے حامل انبیاء ہیں۔ اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرنے والے ان اونچے درجے کے لوگوں کے ساتھ ہوں گے۔ انبیاء کا معاملہ تو یہی ہے کہ اُن کے مقام تک کوئی نہیں پہنچ سکتا کیونکہ نبوت کسبی نہیں بلکہ وہبی ہے' البتہ شہادت اور صدیقیت کے دو درجے موجود ہیں جہاں انسان اپنی ہمت' محنت اور کوشش کے ساتھ پہنچ سکتا ہے۔ یہ اللہ کا بہت بڑا فضل ہے کہ انسان کو آخرت میں ان بلند درجہ حضرات کی معیت حاصل ہو جائے۔ اور پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ہر شے کے جاننے کے لیے کافی ہے۔ یعنی وہ جانتا ہے کہ کون کس قدر و منزلت کا حامل ہے۔ اَللّٰهُمَّ تَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ۔ اے اللہ ہمیں موت دیجیو اپنے نیک بندوں کے ساتھ۔

اطاعت کے علاوہ دوسری چیز جو منافقین پر بہت بھاری تھی وہ قتال فی سبیل اللہ تھا جو مادی اعتبار سے بڑا سخت امتحان تھا۔ اطاعت رسول تو ایک نفسیاتی مرحلہ تھا۔ لیکن قتال فی سبیل اللہ میں تو مال اور جان کا خطرہ تھا۔ حقیقت میں یہی وہ امتحان ہے جس کے ذریعہ مومن اور منافق میں تمیز ہوتی ہے اور اسی میں کامیابی مومن کو شہادت کے مقام تک بلند کر دیتی ہے۔

آگے فرمایا: اے اہل ایمان اپنے تحفظ کا سامان لے لیا کرو۔ یعنی اپنے ہتھیار لے لیا کرو۔ پھر نکلو قتال فی سبیل اللہ کے لیے گروہ گروہ یا فوج کی شکل میں۔ کبھی کبھی رسول اللہ ﷺ چھوٹے چھوٹے گروپ بھیجتے تھے' جیسا کہ غزوہ بدر سے قبل آٹھ ٹیمیں بھیجی گئیں' اور کبھی بھرپور فوجی کارروائی ہوئی جیسے غزوہ بدر اور غزوہ اُحد۔ تو ان میں سے کوئی بھی شکل ہو' تم نکلو۔ اس کے بعد فرمایا کہ بے شک تم میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو نکلنے میں دیر لگا دیتے ہیں' سستی کرتے ہیں' پھر بہانہ سوچتے ہیں کہ ہم کہہ دیں گے کہ ہم تو بس نکلنے ہی والے تھے کہ اس دوران جنگ کا فیصلہ ہی ہو گیا۔ منافق کا تو یہ حال ہے کہ اگر تمہیں کوئی مصیبت پیش آ جائے' کوئی نقصان ہو جائے وقتی طور پر ہزیمت کا سامنا کرنا پڑ جائے تو وہ کہتا ہے کہ اللہ نے بڑا کرم کیا کہ میں رہ گیا۔ میری فلاں ضرورت میرے لیے رحمت بن گئی مثلاً عین وقت پر میرے اونٹ کی گمشدگی اچھی ثابت ہوگئی کہ مجھے بہانہ مل گیا اور میں معرکے میں شامل ہونے سے بچ گیا۔

فرمانِ نبویؐ

سفر سے جلد لوٹ آنا

چودھری رحمت اللہ بٹر

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ :

((اَلسَّفَرُ قِطْعَةٌ مِّنَ الْعَذَابِ يَمْنَعُ اَحَدَكُمْ طَعَامَهٗ وَشَرَابَهٗ وَنَوْمَهٗ فَاِذَا قَضٰى اَحَدُكُمْ نَهْمَتَهٗ مِنْ سَفَرِهٖ فَلْيُعَجِّلْ اِلٰى اَهْلِهٖ))

(رواہ متفق علیہ)

جناب ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''سفر ایک طرح کا عذاب ہے جس سے کھانے پینے اور سونے کے نظام میں خلل پڑتا ہے (پورا آرام نہیں ملتا)۔ اس لیے تم میں سے کوئی کسی کام کے لیے سفر کرے' وہ کام پورا ہو جائے تو پھر جلد اپنے گھر لوٹ آئے!''

17.11.05 نمبر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم○

اداریہ

ایوب بیگ مرزا

چوں کفر از کعبہ برخیزد

''قائداعظم اور علامہ اقبال آج زندہ ہوتے تو ملکی حالات دیکھ کر خودکشی کر لیتے۔ علامہ جدید اسلامی ریاست کا تصور رکھتے تھے۔ شراب سے ریونیو اکٹھا کر کے ہم غربت ختم کر سکتے ہیں لیکن ہم نے تو اسے حرام قرار دے رکھا ہے۔ شراب پینے سے کسی کی عاقبت خراب نہیں ہوتی۔ ''پاکستان کا مطلب کیا: لا الہ الا اللہ'' علامہ یا قائد کا نعرہ نہیں تھا۔ علامہ اقبال کا نظریہ تھا کہ ہندوستان میں مسلمان اور پاکستان میں ہندو بھی رہیں۔ وہ تو صرف مسلمانوں کے لئے اقتدار چاہتے تھے۔ علامہ اقبال کا جدید ریاست کا تصور مولانا مودودی اور دوسرے علماء کے اسلامی ریاست کے تصور سے بالکل مختلف تھا۔ ہم خلفائے راشدین کے ادوار کی مثالیں دیتے ہیں مگر وہ نظام رائج نہیں کر سکتے' کیونکہ آج کے دور میں وہ نظام رائج نہیں ہو سکتا''۔

یہ فرمودات عالیہ کسی کٹر مارکسسٹ' ملحد دانشور یا ففتھ کالمسٹ کے نہیں ہیں بلکہ ڈاکٹر جاوید اقبال فرزند ارجمند علامہ اقبال کے ہیں۔ وہ اقبال جنہیں مفکر اسلام تسلیم کرنے پر برصغیر ہند' ایران' افغانستان اور وسطی ایشیا کے مسلمان متفق ہیں' وہ اقبال جنہیں بجا طور پر حدی خوانِ ملت اور ترجمانِ قرآن کہا گیا' وہ اقبال جو قرآن سے دور ہٹنے کی صورت میں خود کو بددعا دیتا ہے' وہ اقبال جو مہجوری قرآن کو اُمتِ مسلمہ کی ذلت و نکبت کی وجہ قرار دیتا ہے' وہ اقبال جو وطنیت کو مذہب کا کفن قرار دیتا ہے' وہ اقبال جو قرآن کو کتاب زندہ کہہ کر پکارتا ہے' اس کا دانشور بیٹا یہ بھی نہیں جانتا کہ قرآن حکیم جو نبی آخر الزماں ﷺ کا ابدی معجزہ ہے' وہ درحقیقت کتابِ ہدایت ہے جو بنی نوع انسان کو صراطِ مستقیم پر لانے کے لئے مختلف اسالیب اور انداز اختیار کرتا ہے۔ ہم اپنی طرف سے مزید کچھ عرض کرنے سے پہلے سورۃ المائدۃ کی آیات کا ترجمہ پیش کریں گے:

''اے ایمان والو! شراب اور جوا اور بت اور پانسے سب شیطان کے گندے کام ہیں پس ان سے بچو تاکہ فلاح پاؤ۔ شیطان تو یہ چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعے تم میں دشمنی اور عداوت ڈال دے اور تمہیں نماز اللہ کے ذکر سے روکے تو کیا اب بھی تم اس سے باز آؤ گے''۔ (آیت:۹۱)

ڈاکٹر جاوید اقبال فرماتے ہیں کہ مغل حکمران اور ان سے پہلے کے حکمران شراب بھی پیتے اور سب کچھ کرتے تھے۔ سوال یہ ہے کہ کیا یہ بادہ خوار حکمران ہمارے لیے حجت ہیں یا وہ عظیم ہستی جس نے شراب کو اُم الخبائث قرار دیا۔ مذکورہ بالا آیات میں اللہ رب العزت نے شراب سے روکنے کے لئے جو انداز اختیار کیا ہے وہ یقیناً لفظ حرام کہہ دینے سے سخت تر ہے۔ پھر یہ کہ قرآن پاک میں زنا کے لئے بھی حرام کا لفظ استعمال نہیں ہوا۔ باطنی بصیرت سے محروم کوئی دانشور یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ زنا کے قریب پھٹکنے سے روکا گیا ہے' اسے حرام تو قرار نہیں دیا گیا۔ جہاں تک ڈاکٹر جاوید اقبال کے شراب سے اکٹھی ہونے والی رقم سے غربت دور کرنے کے فلسفہ اور بازارِ حسن کی بندش پر اظہار ناپسندیدگی کا تعلق ہے اس پر بعض حضرات کی طرف سے انتہائی سخت تبصرے سامنے آئے ہیں جنہیں ندائے خلافت جیسے پرچہ کے صفحات کی زینت نہیں بنایا جا سکتا۔ ہم صرف یہ کہنے پر اکتفا کریں گے کہ جب محسن انسانیت رسول مقبول ﷺ نے بتوں کی مخالفت سے باز رہنے سے صاف صاف انکار کر دیا تو قریش مکہ کے دل کی بات زبان پر آ گئی کہ یہ بت صرف ہمارے الٰہ نہیں ہیں بلکہ ہمارے لئے ذریعہ معاش بھی ہیں اور ان ہی کی بدولت ہم آزادانہ تجارت کر سکتے ہیں اور ہمارے تجارتی قافلے لوٹ مار سے محفوظ رہتے ہیں۔ لیکن حضور ﷺ نے اس معاشی فائدے کو رتی بھر اہمیت نہ دی اور فاتح مکہ کی حیثیت سے پہلا کام ان بتوں کو پاش پاش کرنے کا کیا۔

ہمیں ڈاکٹر جاوید اقبال پر تنقید کرتے ہوئے دلی دکھ محسوس ہو رہا ہے کہ ان کے والد بزرگوار بیسویں صدی میں اُمت مسلمہ کے بہت بڑے محسن تھے۔ ہم ذاتی طور پر ان کا بارِ احسان اپنے کندھوں پر محسوس کرتے ہیں۔ ہم اسلام کے حرکی تصور کا فہم حاصل کرنے میں ان کے مرہونِ منت ہیں۔ انہوں نے دورِ جدید میں اسلام کی تعبیر و تشریح

(باقی صفحہ 19 پر)

''تا خلافت کی بنا' دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر''

قیام خلافت کا نقیب

ہفت روزہ — لاہور

ندائے خلافت

جلد 17 | 17 تا 23 نومبر 2005ء | شمارہ
14 | 14 تا 20 شوال المکرم 1426ھ | 42

بانی: اقتدار احمد مرحوم

مدیر مسئول: حافظ عاکف سعید

نائب مدیر: محبوب الحق عاجز

مجلس ادارت

سید قاسم محمود۔ ایوب بیگ مرزا
فرقان دانش خان۔ سردار اعوان۔ محمد یونس جنجوعہ

نگران طباعت: شیخ رحیم الدین

پبلشر: محمد سعید اسعد' طابع: رشید احمد چوہدری
مطبع: مکتبہ جدید پریس' ریلوے روڈ' لاہور

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی:
67-اے علامہ اقبال روڈ' گڑھی شاہو' لاہور۔54000
فون: 6366638 - 6316638 فیکس: 6271241
E-Mail:markaz@tanzeem.org
مقام اشاعت: 36-کے ماڈل ٹاؤن' لاہور 54700
فون: 03-5869501

قیمت فی شمارہ 5 روپے

سالانہ زرِ تعاون
اندرونِ ملک...... 250 روپے
بیرونِ پاکستان
یورپ' ایشیا' افریقہ وغیرہ (1500 روپے)
امریکہ' کینیڈا' آسٹریلیا وغیرہ (2200 روپے)
ڈرافٹ' منی آرڈر یا پے آرڈر
''مکتبہ خدام القرآن'' کے عنوان سے ارسال کریں
چیک قبول نہیں کیے جاتے

ادارہ کا مضمون نگار حضرات کی رائے سے پورے طور پر متفق ہونا ضروری نہیں

پہلی غزل کا دوسرا بند

(بالِ جبریل' حصہ دوم)

بہت دیکھے ہیں میں نے مشرق و مغرب کے میخانے
یہاں ساقی نہیں پیدا' وہاں بے ذوق ہے صہبا!

نہ ایراں میں رہے باقی' نہ تووراں میں رہے باقی
وہ بندے فقر تھا جن کا ہلاکِ قیصر و کسریٰ

یہی شیخِ حرم ہے جو چرا کر بیچ کھاتا ہے!
گلیمِ بُوذرؓ و دلقِ اویسؓ و چادرِ زہراؓ؟

حضورِ حق میں اسرافیلؑ نے میری شکایت کی
یہ بندہ وقت سے پہلے قیامت کر نہ دے برپا

ندا آئی کہ آشوبِ قیامت سے یہ کیا کم ہے
گرفتہ چینیاں احرام و مکی خفتہ در بطحا!

لبالب شیشۂ تہذیبِ حاضر ہے مے لا سے
مگر ساقی کے ہاتھوں میں نہیں پیمانہ اِلّا

دبا رکھا ہے اس کو زخمہ ور کی تیز دستی نے
بہت نیچے سُروں میں ہے ابھی یورپ کا واویلا

اسی دریا سے اٹھتی ہے وہ موجِ تند جولاں بھی
نہنگوں کے نشیمن جس سے ہوتے ہیں تہ و بالا!

1۔ اقبال کہتے ہیں کہ مشرق اور مغرب کے مابین جو تضاد ہے' وہ بالکل واضح ہے۔ اس شعر میں وہ مشرقی اور مغربی تہذیب و علوم کا موازنہ یوں کرتے ہیں کہ یہ بدقسمتی ہے کہ مشرق میں بے پناہ علوم و فنون موجود ہیں' لیکن اِن کو وسعت دینے کی صلاحیت سے اہلِ مشرق محروم ہیں۔ ان کے مقابلے میں اہلِ مغرب اپنے علم و فن کو وسعت دینے کی صلاحیت تو رکھتے ہیں' لیکن ان علوم و فنون میں وہ رُوح نہیں جو انسان پر براہِ راست اثر انداز ہوتی ہے۔ بالفاظِ دیگر مغربی تہذیب و علوم راہِ حق دکھانے کی بجائے صرف مادی افادیت سے ہم کنار کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں اور بس۔

2۔ اِس شعر سے لے کر بند کے آخری شعر تک اقبال نے مشرق کی حالتِ زار بیان کی ہے۔ چنانچہ کہتے ہیں کہ وہ مسلمان' جنہوں نے کسی زمانے میں قیصر اور کسریٰ کے تخت اُلٹ دیئے تھے' وہ اب نہ ایران میں نظر آتے ہیں' نہ توران میں۔ مطلب یہ ہے کہ تمام دنیائے اسلام کی یہی حالت ہے۔ اب اسلامی ممالک ایسے صاحبِ کردار اور جانباز فرماں رواؤں سے محروم ہو چکے ہیں' جن کی شان و شوکت اور رعب و دبدبہ ہر طرف پھیلا ہوا تھا' اب صورتِ حال بالکل برعکس ہے۔

3۔ علماء اور شیوخ کی حالت یہ ہے کہ وہ اپنے اپنے حلقے میں بزرگانِ دین کے نام پر اپنی اپنی دکانیں چمکا رہے ہیں۔ خود اُن کے اندر نہ حضرت ابوذر غفاریؓ کے زہد و تقویٰ کا کوئی رنگ ہے' نہ حضرت اویس قرنیؓ کے عشق و محبت کی کوئی جھلک ہے' اور نہ حضرت فاطمۃ الزہراؓ کی عفت اور پاکیزگی کا کوئی شائبہ ہے۔ یہ لوگ اُن بزرگوں کا نام بیچ رہے ہیں اور خلقِ خُدا کو فرقہ بندی اور مسلک آرائی میں مبتلا کر رہے ہیں۔

اقبال نے نہایت خوبی کے ساتھ ایک مصرعے میں ملت اسلامیہ کی تین عظیم اور قابلِ احترام شخصیات کو جمع کر دیا ہے۔ یہ قرنِ اوّل کی وہ برگزیدہ ہستیاں ہیں' جن کی عظمت کے سامنے ہر مسلمان کا سر' فرطِ عقیدت سے جھک جاتا ہے۔ تینوں میں قدرِ مشترک یہ ہے کہ ان میں اسلام کی رُوح یعنی دنیا اور دنیاداری سے بے نیازی کی شان جلوہ گر تھی' جیسا کہ گلیم (کمبل)' دلق (گدڑی) اور چادر سے مترشح ہے۔ یہ مصرع پڑھ کر اقبال کے کمالِ فن کی بے اختیار داد دینا پڑتی ہے کہ انہوں نے ہر موصوف کے لیے کیسی موزوں اور حقیقت افروز صفت استعمال کی ہے۔ گلیم' دلق اور چادر اِن تینوں الفاظ سے شانِ استغنا کی تصویر نگاہوں کے سامنے جلوہ گر ہوتی ہے۔

4۔ اِس شعر میں اقبال حضرت اسرافیلؑ کے حوالے سے اپنی حق گوئی اور بے باکی کا اظہار یوں کرتے ہیں کہ فرشتوں کو بھی اِس امر کا خوف ہے کہ میری یہ صلاحیتیں اور جُرأتِ اظہار کہیں قیامت سے پہلے قیامت برپا نہ کر دے۔ چنانچہ حضرت اسرافیلؑ نے یہ شکایت خداوندی تعالیٰ کے روبرو پیش کی ہے۔ واضح ہو کہ اسرافیلؑ وہ فرشتہ ہے جو قیامت کے دن دو مرتبہ صور پھونکے گا۔ پہلی مرتبہ صور پھونکنے پر رُوئے زمین کے تمام جاندار ختم ہو جائیں گے۔ دوسری مرتبہ صور پھونکنے پر تمام اگلے پچھلے زندہ ہو جائیں گے' تاکہ اپنے اپنے اعمال کا حساب پیش کریں۔

5۔ یہ شعر پچھلے شعر سے مربوط ہے۔ فرشتہ اسرافیلؑ کی شکایت کے جواب میں عرشِ معلیٰ سے آواز آئی کہ یہ حقیقت ہی قیامت سے کیا کم ہے کہ کعبے سے ہزاروں میل دُور رہنے والے اہلِ چین تو عمرہ و حج کے لیے تیار اور کمربستہ رہتے ہیں' جب کہ خود اہلِ مکہ کی بے حسی کا یہ عالم ہے کہ وہ خانہ کعبہ کے نواحات میں خوابِ خرگوش میں مبتلا ہیں۔ اقبال کے اِس شعر کا دوسرا مصرع حکیم سنائی کے قصیدے سے اقتباس ہے۔ اس مصرع میں "بطحا" کے لغوی معنی ہیں' وہ نشیبی زمین' جس میں سنگ ریزوں کی کثرت ہو اور سیلاب کا پانی وہاں سے گزرتا ہو۔ عرفِ عام میں وادیٔ مکہ کو کہتے ہیں۔

6۔ پچھلے شعر تک اقبال نے اپنی اِس نظم نما غزل میں مشرقی تہذیب کے حوالے سے بات کی ہے' لیکن اِس شعر سے وہ مغربی تہذیب کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ مغرب میں تو اب خدا کی ذات سے بھی انکار ہو رہا ہے اور کوئی احکامِ خداوندی کو تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں۔ عملاً وہاں ابلیس کی حکمرانی ہے۔ اِس کے برعکس وہاں کوئی بھی ایسا شخص نظر نہیں آتا جو اہلِ مغرب کو وجودِ باری تعالیٰ اور احکامِ خداوندی تسلیم کرنے پر آمادہ کر سکے۔

7۔ احکامِ خداوندی کی عدم تعمیل کے سبب مغرب میں جو انتشار و اضطراب کا غلغلہ ہے' ہر چند کہ اِس کو خوش آئند نعروں اور اِسی نوع کی دوسری چیزوں نے عارضی طور پر دبا رکھا ہے' لیکن یہ سلسلہ زیادہ نہ چل سکے گا۔ بالآخر اِس صورتِ حال کا ردِعمل کسی نہ کسی شکل میں واضح ہو کر سامنے آئے گا۔

8۔ ہر چند کہ مغرب اس وقت بڑی طاقتوں کا مرکز ہے۔ اس نے دنیاوی' اقتصادی اور عسکری طور پر بھی بڑی ترقی کر لی ہے' لیکن آخر کار وہاں موجود تہذیب ہی اِن طاقتوں کی تباہی کا سبب بنے گی۔

منبر و محراب

خود احتسابی: زندہ قوموں کا شعار

مسجد دارالسلام باغ جناح لاہور میں' امیر تنظیم اسلامی محترم حافظ عاکف سعید صاحب کے ۱۱ نومبر کے خطاب جمعہ کی تلخیص

(آیاتِ قرآنی خطبہ مسنونہ اور تمہیدی کلمات کے بعد فرمایا) فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهُ فَإِذَا هُوَ زَاهِقٌ.....﴾ (الانبیاء:18)

یعنی ''ہم حق کا کوڑا برساتے ہیں باطل کی پیٹھ پر تو اس کا بھیجہ باہر نکل آتا ہے اور وہ نیست و نابود ہو جاتا ہے''

علامہ اقبال نے قرآن مجید کی اس آیت کو شعری قالب میں ڈھالا ہے۔ کہتے ہیں۔

صورت شمشیر ہے دستِ قضا میں وہ قوم
کرتی ہے جو ہر زماں اپنے عمل کا حساب

یعنی وہ قوم جو ہر دور میں اپنے عمل کا احتساب کرنے کی عادی ہو' اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ایک شمشیر کی مانند ہے' جس کے ذریعے ربِ کائنات دنیا میں اپنی برتری اور حکمرانی کا سکہ جماتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں اللہ تعالیٰ باطل کا قلع قمع کرنے' اُسے نیست و نابود کرنے کے لیے ایسی قوم سے کام لیتا ہے جو سچائی کی علمبردار ہو۔ ایسی قوم کا ایک اہم وصف اقبال کے نزدیک یہ ہے کہ وہ ہر دور اور ہر زمانے میں اپنے عمل کا حساب کرتی ہے' اپنی کامیابیوں اور ناکامیوں کا تجزیہ کرتی ہے' اپنے حالات کو بصیرت کی نگاہ سے دیکھتی اور اُن کی روشنی میں اپنے مستقبل کا لائحہ عمل طے کرتی ہے۔

ہم ہر سال یوم آزادی مناتے ہیں۔ آزادی کی خوشی میں روایتی جوش و خروش کا مظاہرہ ہوتا ہے۔ سرکاری اور غیر سرکاری سطح پر کچھ پروگرام اور سیمینارز وغیرہ منعقد ہوتے ہیں۔ میڈیا پر صدر اور وزیراعظم کے پیغامات نشر کیے جاتے ہیں اور شہروں کو قومی پرچموں اور جھنڈیوں سے سجا دیا جاتا ہے' اور بس! حالانکہ یوم آزادی ہو یا مصوّرِ پاکستان کے حوالے سے یوم اقبال' ان کا اصل پیغام خود احتسابی ہے۔ اگر ہم ایسا کریں تو یہ ہماری قوم کے زندہ ہونے کی دلیل ہوگی' ورنہ ہمارا شمار زندہ قوموں میں نہیں ہوگا' چاہے ہم کتنی ہی شان و شوکت کے ساتھ یہ ایام منالیں۔

خود احتسابی کا اولین تقاضا یہ ہے کہ ہم اپنی قومی زندگی کا تنقیدی جائزہ لیں۔ ہم اس بات پر غور کریں کہ جن مقاصد کے حصول کے لیے یہ خطۂ زمین حاصل کیا گیا تھا' اُن کے حصول کی ہم نے جدوجہد کی یا انہیں بھلا دیا؟ پاکستان کے لیے جس منزل کا تعین کیا گیا تھا' اس کی جانب پیش رفت کی یا ہم الٹے پاؤں پھر گئے۔ ہم نے ہندوؤں سے الگ ''قومیت'' کی بنیاد پر علیحدہ ملک حاصل کیا تھا۔ نظریہ پاکستان کی جان اسلام قرار پایا تھا۔ آزاد مسلمان سلطنت کا دستور قرآن حکیم بتایا گیا تھا' آیا ہم نے اسلام کے ضابطہ حیات کو انفرادی اور اجتماعی طور پر اختیار کیا' اسے دنیا کے لیے مینارۂ نور کے طور پر پیش کیا۔ اِس پر سوچ بچار بہت ضروری ہے۔

پاکستان کو قائم ہوئے ساٹھ برس پورے ہو چکے ہیں۔ ہمیں بار بار خدائی عذاب کے جھٹکے لگ رہے ہیں۔ ہمیں اب تو ہوش میں آ جانا چاہئے' کچھ تو غور و فکر کرنا چاہئے۔ ہمارے حکمرانوں' سیاستداں اور علماء اپنے اندر یہ اخلاقی جرأت پیدا کرنا چاہئے کہ اپنا احتساب کریں کہ آیا انہوں نے اپنی ذمہ داریوں کو ادا کیا ہے یا نہیں! عوام میں یہ احساس پیدا ہونا چاہیے' وہ اپنا محاسبہ کریں کہ ان کی زندگی ان کی نظریہ حیات کے مطابق بسر ہو رہی ہے' یا اُس کے ضابطوں کے خلاف۔ حدیث رسولؐ ہے

((حَاسِبُوْا اَنْفُسَكُمْ قَبْلَ اَنْ تُحَاسَبُوْا))

(سنن الترمذی)

''تم اپنا محاسبہ کرو قبل اس کے کہ تمہارا محاسبہ کیا جائے''۔

یہ حدیث ایک عمومی ہدایت ہے' جسے ہر فرد کو بھی اپنے سامنے رکھنا چاہئے اور قوم کو بھی! مدعا یہ ہے کہ اے لوگو! جب کل روز قیامت جب تمہارا محاسبہ ہوگا' اس سے پہلے اپنا حساب خود کرو' خود احتسابی کی عادت ڈالو۔ اس لیے کہ تم اس وقت امتحان کے کٹہرے میں ہو۔ تمہیں یاد رکھنا چاہئے کہ یہ دنیا دارالامتحان ہے۔ اگر احساس نہیں کرو گے تو سارا نقصان تمہارا ہوگا۔ تم اپنا مستقبل تباہ کر رہے ہو گے۔ اپنی عاقبت برباد کرو گے۔

آیئے دیکھیں! قیام پاکستان کے وقت مسلمان ہندوستان کن حالات سے دوچار تھے؟ اور حصولِ پاکستان کا اصل مقصد کیا تھا؟ وہ کیا محرکات اور حالات تھے جب برصغیر کی مسلمان قوم ایک جھنڈے تلے جمع ہوئی' اور ''پاکستان کا مطلب کیا: لا الٰہ الا اللہ'' کا نعرہ لگایا۔

سورۃ الانفال کی آیت نمبر 26 کا مضمون بالکل ان حالات کی عکاسی کرتا ہے جن حالات میں پاکستان قائم ہوا تھا۔ تحریک پاکستان کے زمانے میں مسلمانانِ ہند کے احوال کی اس آیت کے مضمون سے عجیب مشابہت ہے۔ فرمایا:

﴿وَاذْكُرُوْٓا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِي الْاَرْضِ تَخَافُوْنَ اَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَاٰوٰىكُمْ بِنَصْرِهٖ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴾

یعنی ''اور یاد کرو اُس وقت کو جب تم (تعداد میں) تھوڑے تھے' ملک میں مغلوب پڑے ہوئے تھے۔ تم ڈرتے تھے کہ لوگ تمہیں اچک لیں گے۔ پھر اُس (اللہ تعالیٰ) نے تمہیں ٹھکانا دیا اور اپنی مدد سے قوت دی اور تمہیں صاف ستھری چیزوں کا رزق دیا' تاکہ شکر کرو۔''

ظاہر ہے کہ ہندوستان میں مسلمان تعداد میں کم تھے۔ وہ مغلوب ہو گئے تھے' بے بس کر دیئے گئے۔ وہ اپنے ہی وطن میں بے بسی کا شکار تھے۔ متحدہ ہندوستان میں ہندوؤں کی اکثریت تھی اور مسلمان اقلیت میں تھے۔ ہندوستان کے قابض حکمران انگریز بھی مسلمانوں کے دشمن تھے۔ ان کی دشمنی کا ایک سبب تو یہ تھا کہ انہوں نے مسلمانوں کو' جو برصغیر پر حکومت کر رہے تھے' شکست دے کر یہاں کا اقتدار حاصل کیا تھا اور دوسری اور اصل وجہ رقابت ان کی اسلام دشمنی تھی۔ یہود و نصاریٰ روزِ اوّل سے مسلمانوں اور ان کے دین کے دشمن ہیں۔ قرآن واضح طور پر بتا رہا ہے:

﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْیَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰٓی اَوْلِیَآءَ بَعْضُهُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ...﴾ (المائدہ:51)

یعنی ''اے ایمان والو! یہود اور نصاریٰ کو اپنے دوست نہ بناؤ (یہ تمہارے دوست نہیں ہو سکتے) یہ ایک دوسرے کے دوست ہیں''۔

ہندوؤں اور انگریزوں نے گٹھ جوڑ کر رکھا تھا۔ زندگی کے ہر شعبہ میں مسلمانوں کو دبایا جا رہا تھا۔ تعلیم' سرکاری ملازمتوں' کاروبار اور تجارت میں ترقی کے دروازے اُن پر بند تھے اور ہندو روز افزوں ترقی کر رہے تھے۔ مسلمانوں کو اپنے قومی وجود اور اپنے تشخص کے مٹنے کا خطرہ تھا۔ انہیں اندیشہ تھا کہ ہندو انہیں اچک لے جائیں گے۔ اسلام کو اِس قدر شدید خطرہ لاحق تھا کہ برصغیر سے اُس کا نام و نشان مٹانے کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ مسلمانوں کو دوبارہ ہندو بنانے کے لیے شدھی اور سنگٹھن جیسی انتہا پسند تحریکیں چل رہی تھیں۔ ان حالات میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو پناہ گاہ دی۔ پاکستان کی شکل میں ایک آزاد خطۂ زمین عطا فرمایا' وہ خطہ جس کا خواب علامہ اقبال نے دیکھا تھا۔

پاکستان کا وجود میں آنا ناممکن اور محال تھا۔ انگریز اور ہندو دونوں قیام پاکستان کے مخالف تھے اور مسلمان انتہائی کمزور تھے۔ اس کے علاوہ ایسے بیسیوں شواہد موجود ہیں کہ پاکستان ہرگز قائم نہیں ہو سکتا تھا۔ اس کے باوجود معجزانہ طور پر اللہ تعالیٰ نے یہ ہمیں خطہ زمین عطا فرمایا اور انگریز اور ہندو کی دوہری غلامی سے نجات عطا فرمائی' تاکہ ہم آزاد مملکت میں اپنا نظام قائم کریں' اسلامی اصولوں کی بنیاد پر نظام معیشت ترتیب دیں' اپنی Social Values کو ترقی دیں۔ اللہ نے ہمیں بے شمار وسائل سے مالا مال کیا۔

آزادی کی اس نعمت عظیمہ کی بنا پر ہم پر لازم تھا کہ اللہ کا شکر بجا لاتے۔ شکر کا تقاضا یہ تھا کہ مسلمانانِ پاکستان کی انفرادی زندگی بھی اس بات کی گواہی دیتی کہ وہ واقعتاً سچے مسلمان ہیں۔ ان کی زندگی خدا کی کامل بندگی کا نمونہ ہوتی۔ وہ ''اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ'' کی مثال بنتے' تاکہ دنیا ایک بندہ مومن کا کردار ملاحظہ کرتی۔ وہ یہ دیکھتی کہ مومن کے نزدیک اصل اہمیت اللہ اور اس کے رسول کی ہے۔ اس کی منزل دنیا نہیں' آخرت ہے۔

شکر کا دوسرا تقاضا یہ تھا کہ ہم اجتماعی سطح پر دین کو قائم کرتے' اسلام کے عدل اجتماعی کا کامل نمونہ دنیا کے سامنے پیش کرتے۔ وطن عزیز کو پان اسلام ازم اور اسلام کے عالمی غلبے کی بنیاد بناتے۔ یہ رب کے شکر کا لازمی تقاضا تھا ہی' اہل اسلام کا دینی فریضہ بھی تھا۔ خود بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناح نے اپنی متعدد تقاریر میں اسلامی حکومت کی بات کی تھی۔ دستور پاکستان کے سوال پر انہوں نے دوٹوک کہا تھا کہ ہمارا دستور قرآن ہوگا' جو چودہ سو سال پہلے ہمیں عطا کر دیا گیا ہے۔ اسلامی ریاست کے لئے ان کے سامنے آئیڈیل دور خلافت راشدہ کا تھا۔ مگر افسوس کہ ہم نے ناشکری کی اور انفرادی اور اجتماعی دونوں سطحوں پر کفرانِ نعمت کی روش اپنائے رکھی۔

افراد کی زندگی کا جائزہ لیا جائے تو آج بحیثیت مجموعی معصیت' نافرمانی اور دین سے دوری کا چلن عام ہے۔ اگرچہ بہت سے صاحب کردار لوگ بھی موجود ہیں' مگر اُن کی شرح بہت کم ہے' ورنہ عام مسلمانوں کا حال یہ ہے کہ دو ٹکے کا فائدہ نظر آئے تو ایمان بیچ دیتے ہیں۔ معاشرتی سطح پر اسلامی تعلیمات کی دھجیاں اڑائی جا رہی ہیں۔ معاشی میدان میں ہم دوسروں کے حقوق غصب کرنے کے لیے قرآن کا جھوٹا حلف اٹھانے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں۔ دنیا پرستی اور مفاد پرستی کا زہر پورے معاشرے میں سرایت کر چکا ہے۔ عوام ہوں یا حکمران' سیاستدان ہوں یا علماء کا طبقہ' کوئی بھی اس سے محفوظ نہیں۔ دینداری کے نام پر بھی دنیاداری ہو رہی ہے۔ اندریں حالات جب تک ہم اپنے اعمال اور کردار کی اصلاح نہیں کرتے' صرف ایک طبقے کو مطعون کر کے مطمئن ہو جائیں کہ ساری خرابی اور سارے مسائل کی جڑ حکومت ہے' اس سے بڑی خود فریبی اور کوئی نہیں ہو سکتی۔

ہماری ناشکری کی انتہا یہ ہے کہ وہ نظریہ جس کی بنیاد پر ہم نے پاکستان حاصل کیا' اسی کے بارے میں شکوک و شبہات پیدا کر دیئے گئے۔ ہمارے نام نہاد دانشوروں نے قائداعظم کی گیارہ ستمبر کی تاریخ کی تقریر سے یہ نتیجہ اخذ کر لیا کہ وہ ایک سیکولر ریاست قائم کرنا چاہتے تھے۔ کس قدر بے انصافی کی بات ہے کہ ان کی سینکڑوں تقاریر جن میں اسلامی ریاست کی بات کی گئی تھی کو پس پشت ڈال کر ایک مشتبہ بیان پر پورے گمراہ کن موقف کی بنیاد کھڑی کی جا رہی ہے۔ اگر سیکولرازم ہی ہماری منزل تھی تو متحدہ ہندوستان بھی تو سیکولر ہوتا۔ کیا آج بھی بھارت ایک سیکولر ریاست نہیں ہے؟ پھر ایک الگ وطن کی تحریک چلانے کی کیا ضرورت تھی۔

ہمارے ملک کے ممتاز دانشور فاروق حسن کچھ عرصہ پہلے ہندوستان کے دورے پر گئے۔ واپسی پر انہوں نے اپنے ایک مضمون میں یہی بات لکھی' جو آنکھیں کھول دینے کے لیے کافی ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہندو وکلاء برادری سے ملاقات کے دوران ہندوؤں نے مجھ سے سوال کیا کہ پاکستان بنا کر آپ نے کیا حاصل کیا' وہ کون سی چیز ہے جو آپ اسلام اور مذہب کے حوالے سے پاکستان میں لے آئے اور انڈیا میں موجود نہیں ہے۔ مذہبی آزادی جو پاکستان میں ہے وہ یہاں بھی ہے۔ کیا یہاں (انڈیا میں) مسجدیں نہیں ہیں' اذانیں نہیں ہوتیں' لوگ نماز نہیں پڑھتے' روزے نہیں رکھتے' زکوٰۃ نہیں دیتے۔ بتایئے پاکستان اور انڈیا میں کون سا فرق ہوا۔ فاروق حسن صاحب کہتے ہیں کہ میں بالکل لاجواب ہو گیا۔ اِس واقعہ میں ہمارے لیے غور و فکر کا بہت سا سامان ہے۔ ہمارے ان لوگوں کو شرم آنی چاہیے جو یہ کہتے ہیں کہ پاکستان اسلام کے نام پر نہیں بنا تھا۔ یہ آزادی کی ناقدری اور کفرانِ نعمت کی انتہا ہے۔ بجائے اس کے کہ ہم نظریہ پاکستان کو مضبوط کرتے ہم نے اس کے بارے میں شکوک و شبہات پیدا کر دیئے۔ اب تو اس سے بھی آگے بڑھ کر قدم اٹھایا جا رہا ہے کہ نصاب سے ایسی چیزیں خارج کی جا رہی ہیں جن سے نئی نسل نظریہ پاکستان سے آگاہ ہوتی ہے' جن سے انہیں یہ شعور ملتا ہے کہ اسلامی نظریے کی خاطر ہم نے یہ ملک حاصل کیا تھا۔ ہمیں ''اوپر'' سے حکم ملا ہے۔ لہٰذا اُس کی بجا آوری کے لیے

پاکستان کو قائم ہوئے ساٹھ برس ہو چکے ہیں۔ ہمیں اب تو ہوش میں آنا چاہئے۔ ہمارے حکمرانوں' سیاستدانوں اور علماء کو اپنے اندر احتساب کی اخلاقی جرأت پیدا کرنی چاہئے انہیں سوچنا چاہئے کہ آیا انہوں نے اپنی ذمہ داریوں کو ادا کیا ہے یا ان سے پہلوتہی کی ہے

کہا جا رہا ہے کہ ہم اسلام کا سافٹ امیج پیش کر رہے ہیں۔ کیا سافٹ امیج اور روشن خیالی اسی کا نام ہے کہ اسلام کے اصولوں سے انحراف کر کے اغیار کے ''مصدقہ'' اسلام کو اپنا لیا جائے۔ اسے دجل و فریب اور ابلیسیت کے سوا اور کیا نام دیا جا سکتا ہے

ہم نظریہ پاکستان کو اپنی ہی چھری سے ذبح کر رہے ہیں' پاکستان کی بنیاد ہی کو کھوکھلا کر رہے ہیں

شیاطینِ ملوکیت کی آنکھوں میں ہے وہ جادو
کہ خود نخچیر کے دل میں ہو پیدا ذوقِ نخچیری

ہماری سیاہ کاریوں اور کفرانِ نعمت کے سبب 1971ء میں خدا کے عذاب کا ایک کوڑا ہم پر برسا۔ دنیا کی

سب سے بڑی اسلامی سلطنت دولخت ہوئی۔ ہمارا مشرقی بازو ہم سے جدا ہو کر بنگلہ دیش بن گیا' اور پاکستانی قوم اور فوج کو بدترین ذلت و رسوائی کا سامنا کرنا پڑا۔ سقوط ڈھاکہ خواب سے بیدار ہونے کا موقع تھا۔ چاہئے تو یہ تھا کہ ہم واپس نظریہ پاکستان کی طرف پلٹتے اور اللہ اور اس کے دین کی طرف رجوع کرتے' خود احتسابی کی نظر سے اپنا جائزہ لیتے' اصلاح عمل کے لیے کمربستہ ہو جاتے۔ لیکن ہم خواب غفلت سے بیدار ہوئے نہ ہی اپنی روش تبدیل کی۔ سقوط ڈھاکہ کے عظیم سانحہ اور خدائی جھٹکے کو بھی بھلا بیٹھے' بلکہ ہم نے یہ قرار دیا کہ اس طرح کے انقلابات قوموں کی زندگی میں آتے رہتے ہیں۔

ہماری اِس روش پر اللہ تعالیٰ نے اپنی سنت کے مطابق ہمیں پھر مہلت دی۔ جنگ و جدل کا دور ختم ہو گیا۔ حالات موافق ہو گئے۔ ہمیں ترقی عطا فرمائی۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ ہمیں ایٹمی صلاحیت سے بھی نواز دیا' جو بلاشبہ اللہ کی نصرت و تائید خصوصی کا ایک بہت بڑا مظہر تھا۔ ورنہ پاکستان کا تو شمار دنیا کے پسماندہ ترین ممالک میں ہوتا ہے' جہاں علم و تحقیق اور ریسرچ کے معیار کا یہ حال ہے کہ دنیا کے کئی ممالک میں اُسے "Accept" ہی نہیں کیا جاتا۔ گویا علمی ترقی اور سائنس اور ٹیکنالوجی کی ترقی کے حوالے سے ہم اس قابل نہیں تھے کہ ہمیں ایٹمی ٹیکنالوجی ملتی مگر اللہ تعالیٰ نے اس کے باوجود ہمیں ایٹمی صلاحیت مرحمت فرمائی تو یہ اس کا خصوصی فضل تھا۔ لیکن ہم نے اس کی بھی کوئی قدر نہیں کی۔

اپنے اصل مقاصد اور اہداف سے پسپائی میں اب تو اور بھی تیزی آ گئی ہے۔ اسلام اور دینی اقدار سے قوم کو دور کیا جا رہا ہے۔ یہود' نصاریٰ اور ہنود یا اسرائیل' امریکہ اور بھارت تینوں کی شیطانی تثلیث' جو پاکستان کے وجود کو مٹانے کے درپے ہے' کے دباؤ کے نتیجے میں ہم حقیقی اسلام سے منہ موڑ کر روشن خیال اعتدال پسندی کے راگ الاپنے لگے ہیں۔ ہم دشمنانِ دین کو باور کرا رہے ہیں کہ اسلام کی جو تعبیر تمہیں پسند ہے' اسے اختیار کریں گے' قرآن حکیم اور سنت رسولؐ پر مبنی اسلام کی بجائے تمہارے افکار و نظریات کی کوکھ سے جنم لینے والی ''روشن خیالی'' کو اسلام کا لبادہ پہنائیں گے۔ کہا جا رہا ہے کہ ہم اسلام کا سافٹ امیج پیش کر رہے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ اسلام میں اس کی گنجائش کہاں ہے۔ اگر سافٹ امیج اور روشن خیالی اسی کا نام ہے کہ اسلام کے اصولوں سے انحراف کر کے اغیار کے ''Certified Islam'' کو اپنا لیا جائے تو اُسے دجل و فریب اور ابلیسیت کے سوا اور کیا نام دیا جا سکتا ہے۔ اقبال کہتے ہیں۔

باطل دوئی پسند ہے حق لا شریک ہے
شرکت میانہ حق و باطل نہ کر قبول

حالیہ زلزلہ کے بعد اللہ تعالیٰ نے ہمیں غور و فکر اور خود احتسابی کا ایک اور موقع دیا ہے۔ یہ سوال بہت اہم ہے کہ اتنا ہولناک زلزلہ کیوں آیا؟ اگر اب بھی ہم اپنا محاسبہ کر لیں' اسلام کی طرف مراجعت کریں' نظریہ پاکستان کی جانب پیش قدمی کریں تو پاکستان کی تقدیر بدل سکتی ہے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ سب سے پہلے حکمران طبقہ اپنی سوچ کی اصلاح کرے۔ اپنی سابقہ کوتاہیوں پر نادم ہو کر حصول پاکستان کے اصل مقاصد کی جانب پیش قدمی کرے۔ اس کے بعد قوم کو بیدار کیا جائے' انہیں آمادہ کیا جائے کہ وہ سوچیں یہ زلزلہ کیوں آیا ہے؟ وہ اپنے گناہوں سے معافی مانگیں' اللہ کی اطاعت کا عہد کریں۔ اگر ایسا ہو جائے تو یہ بہت بڑا ٹرننگ پوائنٹ ثابت ہو سکتا ہے۔

اسی طرح خارجی طور پر صاف کہہ دیا جائے کہ ہمارے نزدیک اللہ اور رسول کا حکم مقدم ہے۔ ہم مزید دباؤ برداشت نہیں کریں گے۔ ورنہ اگر ہم نے ماضی کی طرح تو رابورا بننے کے اندیشہ سے ''بڑی طاقت'' کی اطاعت گزاری اور اللہ کی بغاوت کا شیوہ اپنائے رکھا' تو یاد رکھیے' بادشاہ حقیقی کے پاس کسی خطۂ زمین کو تو رابورا بنانے کے بے شمار طریقے ہیں۔ وہ آن واحد میں پورے ملک کو تو رابورا بنا سکتا ہے۔ یہی حالیہ زلزلہ کا اصل پیغام ہے۔

نہ جا اُس کے تحمل پہ کہ بے ڈھب ہے گرفت اُس کی
ڈر اُس کی دیر گیری سے کہ سخت ہے انتقام اُس کا

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں انفرادی اور اجتماعی سطح پر خود احتسابی اور توبہ کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

❁ ❁ ❁ ❁

''منگنی'' یہ ہماری تہذیب نہیں

مراسلہ: سید مظہر علی ادیب

ٹی وی ڈراموں میں ''منگنی'' کے بعد لڑکی اور اس کے منگیتر کے درمیان میل جول میں کچھ اس قسم کی آزادی و بے باکی دکھائی جاتی ہے گویا ان کا باقاعدہ نکاح ہو چکا ہے اور وہ ایک دوسرے سے رشتہ ازدواج میں منسلک ہو چکے ہیں حالانکہ منگنی کی کوئی شرعی حیثیت نہیں ہے۔ یہ صرف دو خاندانوں کے درمیان ایک معاشرتی عہد اور وعدہ اور لڑکی لڑکے کے انتخاب کا معاملہ ہے۔ منگنی کے بعد لڑکی اور لڑکے کے درمیان براہ راست پیغام کا تبادلہ' ٹیلی فون پر رابطے اور عشقیہ طویل گفتگو' ایک دوسرے کے ہاں بلا روک ٹوک آنا جانا اور تنہائیوں میں ملنا' باغوں' پارکوں اور دریاؤں کے کنارے' کھلی فضاء میں پکنک منانا' گاڑیوں میں اکیلے سیر سپاٹے کرنا وغیرہ وغیرہ سب کچھ ٹی وی ڈراموں میں دکھایا جا رہا ہے۔ یہ ہمارا دین ہے نہ ہماری تہذیب!

بعد از نکاح نئے رشتے وجود میں آتے ہیں۔ ان کی خاص حیثیت قائم ہوتی ہے اور آپس میں طرز تخاطب میں فرق آ جاتا ہے۔ نامحرم محرم بن جاتے ہیں۔ پردہ' حجاب کا نئے سرے سے تعین ہوتا ہے۔ لیکن یہ سب کچھ بعد از منگنی ہی وجود میں لے آنا ہمارے دین کے ساتھ مذاق اور ہماری روایات کی تضحیک اور شرعی نکاح کی تحقیر ہے۔ نکاح کے بغیر لڑکے لڑکی کا آزادانہ ملنا جلنا' اکٹھے رہنا سب مغرب کی لادین قوموں کا شیوہ ہے۔ مسلمان تو دنیا کے کسی خطے میں بھی اسے برداشت نہیں کر سکتے۔ مغربی اقوام اب خود اپنی اس تہذیب کے ہاتھوں پریشان ہیں۔ اس لیے کہ منگنی ٹوٹنے کے سب سے زیادہ واقعات' طلاقیں' علیحدگیاں' ناچاقیاں' ناجائز بچوں کی ولادت انہی کے ہاں ہیں۔

مسلمانوں کی تہذیب تو یہ ہے کہ منگنی کی رسم لڑکے اور لڑکی اپنے اپنے گھروں میں الگ الگ ادا کرتے ہیں۔ منگیتر ایک دوسرے کے سامنے نہیں آتے (اور نکاح تک سامنے نہیں آتے) قریب ترین عزیزوں کے معاملے میں بھی لڑکی کو لڑکے سے پردہ کرایا جاتا ہے۔ منگنی کے بارے میں ہمارے ٹی وی کا موجودہ رویہ اگر یوں ہی برقرار رہا تو بہت جلد پورے معاشرے پر اس کے ہولناک نتائج مرتب ہوں گے۔ فوری اصلاحی اقدامات کی ضرورت ہے۔ کیا ارباب اقتدار ادھر بھی کچھ توجہ فرمائیں گے؟

موت کی ایک دستک

بلقیس قمر سبزواری

کہاں سے گزرے ہیں یہ شہر آرزو ہے قمر
یہاں تو پھول بھی خوشبو کفن کی دیتے ہیں

اور

وہ عرش کے تارے تھے چھپے خاک کے اندر
دنیائے تلاطم میں جنہیں ڈھونڈ رہے ہو

اور

وہ مہرباں جو مہر سے محروم کر گئے
ویرانیوں میں ان کی صدا کی تلاش ہے

اور ہماری کیفیت یہ ہے کہ۔

احساس کا دیا ہے قدرت کی یہ عطا ہے
جو آتشِ نوا سے یادوں میں جل رہا ہے

آسمان اور زمین کے درمیان راستے کی لکیر بن گئی۔ سالوں کا سفر خشک و تر کے فاصلے پل بھر میں طے ہو گئے۔ اب نہ وادیوں کے دلکش عنوان ہیں' نہ دلنواز بہاریں' نہ آرزو ہے نہ انتظار' نہ کھنکناتی ہوئی کانچ کی جوانیاں ہیں' نہ معصومیت کے نغمے' نہ تمناؤں کے سمندر ہیں' نہ چاہتوں کے ساحل' نہ پانی کی پیاس ہے' نہ نیند کے خواب۔ اب تو صرف پتھر آنسوؤں سے پگھل رہے ہیں۔ خوابوں کے سلسلے ختم ہوئے۔ کلیاں کٹ کر گریں' پھول ٹوٹ کر بکھرے' شفق میں ڈوبی ہوئی چڑیاں ہوا میں بھیگیں' پائل کی جھنکار شعلوں کے شور میں دب گئی۔ غضبناک زمین نے سب کچھ سمیٹ لیا۔ اے دردِ فراق تھم جا' نشیب شب میں تھکن اتار کر سونے والے جیالوں کی آنکھوں میں نہ چمک ہے' نہ ہونٹوں پر جنبش' نہ معصوم مسکراہٹیں' نہ جذبے' نہ خوشیاں۔ زندگی کا ہر شعلہ سرد ہو گیا ہے۔ ہر نشیمن پر موت کا پہرہ ہے اور بوجھل فضا طاری ہے۔

ایک لمحہ میں طوفاں میں اتر جاتی ہے
زندگی ایک ہی ٹھوکر میں بکھر جاتی ہے

ان پہاڑیوں اور وادیوں میں کیا رہ گیا' صرف وحشت زدہ محروم چہرے۔ شبنمی ٹھنڈک کی جگہ شعلہ و شرر نے لے لی۔ موت کی ایک دستک پر خوابوں کا سلسلہ اور خوشیوں کا سفر ختم ہو گیا۔ ہمیں بھی زندگی کا شعور نہیں رہا۔ ہم بھول گئے کہ فصل بہاراں ہر موسم میں کٹ سکتی ہے۔ جانے والے برق رفتاری سے نکل گئے۔ جو خوشیاں منا رہے تھے' ہواؤں میں اڑ رہے تھے' انہیں کیا معلوم تھا کہ آنے والے کل میں وہ نہیں ہوں گے۔ اب ہم اشک و فغاں کے قلم سے' سخن کی دھوپ میں موت کی داستان لکھ رہے ہیں۔ اب زندگیوں کو شمار کیا جائے گا۔ نئے گوشوارے مرتب ہوں گے۔ انہیں کیا معلوم کہ ہم دکھوں اور فاصلوں کے درمیاں آہستہ آہستہ کیسے سانس لے رہے ہیں۔ اب ہمارے اور ان کے درمیان جدائی کا باریک شیشہ چنا ہوا ہے۔ کون ہمارے زخموں کا شمار کرے گا۔

اس اجتماعی موت' اور قدرتی زمینی سانحہ کے بارے میں نہ کچھ کہا جا سکتا ہے اور نہ سمجھا جا سکتا ہے' بادِ مخالف ایسی چلی کہ پتہ پتہ بکھر گیا۔ آہوں کے شراروں میں جلتے بدن' ریگزاروں میں پڑے ہیں۔ یادوں کا طوفان نہ جانے کہاں کہاں تک بہائے گا۔ اس قدرتی آفت کا مقابلہ کرنے کی

> ان پہاڑوں اور وادیوں میں کیا رہ گیا' صرف وحشت زدہ محرم چہرے۔ موت کی ایک دستک پر خوابوں کا سلسلہ اور خوشبوں کا سفر ختم ہو گیا' ہمیں بھی زندگی کی ناپائیداری کا شعور نہ رہا۔ ہم بھول گئے کہ فصل بہاراں ہر موسم میں کٹ سکتی ہے۔

نہ ہمت باقی ہے نہ قدرت۔ ہزاروں افراد موت کے قریب زندگی کا انتظار کر رہے ہیں۔ عجب آزمائش کا وقت ہے۔

اس زمینی قیامت کے بارے میں کچھ کہنے کے لیے الفاظ کم ہو گئے ہیں۔ زندگی جو باقی ہے وہ زندگی نہیں ہے' وہ پرچھائیوں میں تقسیم ہو چکی ہے۔ خوبصورت وادیوں' پہاڑیوں اور بستیوں کے شہر بہتے خون سے رنگین ہو گئے ہیں۔ کچھ پتہ نہیں کہ زلزلوں کی کون سی طاقت زمین کی کمزوری پر غالب آ گئی کہ سب کچھ زمین میں پیوست ہو گیا۔ خوبصورت شہروں اور حسین وادیوں میں موت کا پرچم لہرا دیا ہے اور ہماری زندگیوں میں کیا رہ گیا۔

ہر قافلہ صراط سے یونہی گزر گیا
ہم تھک کے زندگی کی صداؤں میں رہ گئے

اے جانے والو! ہم تو خود کو تسلی بھی نہیں دے سکتے۔ ہمارے پاس تو وہ آنسو بھی نہیں رہے جو غم کا مداوا کر سکیں۔ کاش! ہماری صدائیں اور پیغام تم تک پہنچ سکتے تاکہ تمہیں ہماری ویرانی کا اندازہ ہو سکتا کہ ہمارے پاس تمہاری یادوں کے سوا کچھ نہیں رہا۔ زندگی کا سارا حسن تو تمہارے پاس ہے کیونکہ تم نے حقیقتوں کو چھو لیا ہے۔ کاش! تم دیکھ سکتے قوم کا دردمندانہ جذبہ جو پہلے کبھی دیکھنے میں نہیں آیا۔ سارا ملک ایک ہو گیا ہے۔ دوست ملکوں نے بھی تفریق نہیں کی۔ ہر دل درد و غم کا سمندر بنا ہوا ہے۔ ہر جگہ لہو ہے اور احساس مجروح۔ ہر طرف لہو میں بھیگے غنچے اور بکھرے گلاب ہیں۔ کم وسائل کی بنا پر امداد میں رکاوٹ ضرور ہو رہی ہے' لیکن دعا اور جذبوں کی کمی نہیں ہے۔

ذہنی بیداری اور قربانی کی نئی مثال سامنے آ رہی ہے۔ جانی و مالی اور ذہنی نقصان کی تلافی تو ممکن نہیں ہے لیکن ہمت استقلال اور ثابت قدمی بہرحال عزم کی مثال ہے۔ ہم خدا کی رحمت اور عطا سے ناامید نہیں ہیں۔ ہم اپنے اعمالِ بد' مادیت پرستی اور کوتاہیوں پر معافی مانگتے ہیں۔ ہم نے خود کو بھلا دیا تھا' شاید اب ہم ذہنی اور عملی طور پر بیدار ہو چکے ہیں۔ ہم سب ایک ہیں۔ ہمارا دکھ مشترک ہے۔ کاش! یہ شعوری بیداری' حکمت عملی اور ذہنی وابستگی' جو نظر آ رہی ہے قائم رہے تاکہ کچھ کرنے کا جذبہ مقام پا جائے۔

پروردگار! ہم غافل تھے' ہمارے گناہوں سے درگزر فرما' ہمارے ایمان کو مضبوط اور دلوں میں قربانی کا جذبہ پیدا کر۔ تو رحمٰن بھی ہے اور رحیم بھی' ہم اپنے پیاروں کے غم میں نڈھال ہیں' تو ہم پر رحم فرما۔ ہم تیری رحمت کے خواہاں ہیں اور زندگی کی بحالی کے لیے دعا کرتے ہیں۔ ہم اس زمینی آفت اور تیری اس مصلحت کو کوئی نام نہیں دے سکتے۔ یہ شاید ہماری کوتاہیوں' بے راہ روی' دین سے لاپروائی' باہمی عناد' فرقہ واریت اور خود غرضیوں کی سزا ہے کہ آج ہم اپنے خون میں نہا گئے ہیں۔ آج ان بچوں کی تصویریں صاف نظر آ رہی ہے جن کی معصوم نگاہوں میں موت کی تحریر اور خوف ہے۔ وہ وقت سے بے خبر ہماری مدد کے خواہاں ہیں۔ ہم کتنے بے بس ہو گئے ہیں کہ ہمارے پاس کچھ بھی نہیں رہا۔ ہم صرف تیری مدد اور رحمت کے منتظر ہیں' تو اِس آزمائش میں ہمیں ثابت قدم رکھ۔ ہم پر اپنی نظر کر' جانے والوں کی مغفرت فرما اور وہ معصوم بچے جو بارش کے پاکیزہ قطروں کی طرح زمین میں جذب ہو گئے ہیں' ان کے ورثاء کو اس قیامت سے گزرنے کا حوصلہ اور عزم عطا فرما۔

لفظ ''یہود'' اور ''یروشلم''

خادم حسین انصاری

یہ بات ایک تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ کسی قوم کی زبان اس کے اجتماعی ثقافتی اور دینی پس منظر کی عکاس ہوتی ہے اور اہل زبان کے اجتماعی شعور کا پتہ دیتی ہے۔ اس لیے اگر ہمیں اپنے سب سے بڑے دشمن ''یہود'' کو سمجھنا ہے تو ہمیں ان کی لغت میں غور کرنا چاہیے کہ لفظ ''یہود'' کے پیچھے کون کون سے افکار و نظریات پوشیدہ ہیں۔ بہت سے ایسے الفاظ ہیں جو صیہونی دہشت گردی کی حقیقت کو اجاگر کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر انگریزی کی لغت میں ''یہودی'' کے لیے جو لفظ آیا ہے ''JEW'' اور شہر قدس کے لیے عبرانی زبان میں ''یروشالیم'' (یروشلم) اور انگریزی زبان میں ''JERUSALEM'' کا استعمال ہوتا ہے۔

جہاں تک لفظ ''JEW'' کا تعلق ہے تو انگریزی زبان میں اس کے معنی صرف ''یہودی'' کے نہیں ہو سکتے بلکہ اس کے دوسرے معانی بھی ہیں۔ معجم الیاس کے مطابق ''JEW'' کے معنی ہیں: یہودی' اسرائیلی' دھوکہ دینا' کسی کی ہنسی اڑانا۔ مشہور ڈکشنری OXFORD میں ''JEW'' کے متعدد معنی مذکور ہیں: OFFENSIVE, CHEAT, GRASPING, (PRASPING) کے معنی ہیں: حریص' لالچی' ''CHEAT'' کے معنی ہیں: دھوکہ باز' جعل ساز' مکار' فریبی اور ''OFFENSIVE'' کے معنی ہیں: حملہ آور' وحشت ناک' غلط کار' شعور کو ٹھیس پہنچانے والا' متنفر' نفرت انگیز' خبیث' مکروہ' بدطینت' ناگواری کے ساتھ بات کرنے والا۔

لفظ ''یہودی'' اور ان کے معنی کے درمیان لغوی روابط سے صاف ظاہر ہے کہ انگریزی میں یہودی ذہنیت کی کیا تصویر ہے۔ یقیناً یہ تصویر بہت گھناؤنی ہے' اور یہ کسی فرد یا قوم کی رائے نہیں' اور نہ کسی محدود زمانے کا تصور ہے' بلکہ یہودیت کی یہ پُرفریب طویل تاریخ کی تصویر ہے جو جدید لغت میں جگہ پا گئی۔

دوسرا لفظ ''یروشلم'' ہے۔ اس سے پہلے کہ ہم یروشالیم (یروشلم) کے لغوی معنی کا ذکر کریں' اس شہر کے ناموں کی ایک مختصر تاریخ پیش کرتے ہیں۔ اس کا سب سے قدیم نام یبوس (YABOOS) ہے جو اس شہر کے سب سے پہلے باشندے ''عرب یبوس'' کی جانب منسوب ہے۔ مصر کے قدیم خط تصویری میں اس کا نام ''یابشی'' یا ''یابشی'' درج ہے جو عربی نام ''یبوس'' کی تحریف ہے۔ تاریخ کے مختلف ادوار میں یروشلم کو اور سالم' اوشالیم' یروشالیم' ایلیاء' بیت ایل' بیت المقدس' القدس وغیرہ ناموں سے جانا گیا۔

اب غور طلب بات یہ ہے کہ عربی زبان میں ''اور شالیم'' کے صحیح معنی ''نور الاسلام'' (اسلام کی روشنی) ''نور السلام'' (امن کی روشنی) ''مدینۃ السلام'' (امن کا شہر) وغیرہ ہیں لیکن یہودیوں نے کبھی اس شہر مقدس کو ''اور شالیم'' نہیں کہا بلکہ انہوں نے اس شہر کے لیے جو نام ہمیشہ استعمال کیا وہ ''یروشالیم'' (یروشلم) ہے جس کے معنی ''خوف اور امن'' یا ''امن مبنی بر خوف'' ہیں۔

اسی بنیاد پر ان کے برطانوی اور امریکی ہم نواؤں نے بھی شہر مقدس کے لیے لفظ ''JEROSALEM'' استعمال کیا ہے۔ اور یہ بات مشہور ہے کہ انگریزی حرف ''J'' ''Y'' کے بالمقابل آتا ہے نہ کہ ''الف'' کے۔ یعنی انگریزی حرف J ''یروشالیم'' کے لحاظ سے لایا گیا ہے' اور شالیم کا اعتبار نہیں کیا گیا ہے۔ اس سے ان کی اسلام دشمنی کا اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ وہ اس نام سے بھی مطمئن نہیں ہیں جس کا اسلام اور مکمل امن و سلامتی سے ادنیٰ تعلق ہے' بلکہ اس کے لیے ایسا نام تجویز کیا ہے جو ان کے طرز فکر کا ترجمان ہے۔ (رابطہ عالم اسلامی کے روزنامہ سے مستفاد)

آیئے دیکھیں کہ اصطلاحوں' زبان اور لغت کے حوالہ سے امام ابن تیمیہ کیا فرماتے ہیں۔

> ''اس زبان کا سمجھنا جس میں انبیاء علیہم السلام نے ہم سے خطاب کیا اور ان کے الفاظ کا وہی مطلب لینا جو ان کی مراد تھی ضروری اور یقینی چیز ہے' جو اس کے علاوہ دوسرا راستہ اختیار کرے گا وہ ان کے کلام کو اصل مفہوم سے ہٹا دے گا' اور ان پر جھوٹ باندھنے اور افتراء پردازی کے جرم کا مرتکب ہوگا''

اسی زبان اور اصطلاحات کو نہ سمجھنے کا نتیجہ یہ ہے کہ ابن اور روح القدوس کے معنی غلط سمجھ لئے گئے اور تثلیث کا عقیدہ پیدا ہو گیا۔ (خادم حسین انصاری)

> غور طلب بات یہ ہے کہ عربی زبان میں اور شالیم کے صحیح معنی نور الاسلام (اسلام کی روشنی) اور مدینۃ السلام (امن کا شہر) ہیں' لیکن یہودیوں نے کبھی اس شہر کو اور شالیم نہیں کہا بلکہ ہمیشہ یروشلم نام استعمال کیا' جس کے معنی ہیں خوف اور امن یا امن مبنی بر خوف

ندائے خلافت

خواتین نمبر

ان شاء اللہ تنظیم اسلامی حلقہ خواتین کے تعاون سے عنقریب ندائے خلافت خواتین نمبر شائع کرنے کا ارادہ ہے۔ اس ضمن میں تمام رفیقات تنظیم اسلامی سے ایسے اہم دینی موضوعات پر لکھنے کی اپیل کی جاتی ہے جو خواتین سے متعلق ہوں۔ مثلاً ''از روئے اسلام عورت کی مختلف حیثیتیں'' ''حیا کیا ہے؟'' ''خواتین کا صبر'' ''گھریلو اور خاندانی روابط'' وغیرہ وغیرہ۔ مضامین بذریعہ ڈاک یا میل ایڈریس بھیجے جا سکتے ہیں:

مدیر ندائے خلافت

36-K ماڈل ٹاؤن' لاہور (Publications@tanzeem.org)

سید قطبؒ کے انکشافات

سید قاسم محمود

سید قطب شہید نے اپنے ہاتھ سے تقریباً پچاس صفحات میں ایک تحریر قلم بند کی تھی' جو انہوں نے عدالت کے سامنے پیش کرنے کے لیے تیار کی تھی۔ اِس تحریر میں ''اخوان المسلمون'' سے اپنا تعلق اور پیش آمدہ واقعات کے علاوہ سید صاحب نے اپنے ذہنی ارتقا کا سفر بیان کیا تھا' نیز اُن الزامات کی تردید کی تھی جو اُن پر وقتاً فوقتاً لگائے جاتے رہے تھے۔ یہ تحریر پہلی بار لندن سے شائع ہونے والے عربی ہفت روزہ ''المسلمون'' نے فروری' مارچ 1985ء میں اپنی پانچ اشاعتوں میں شائع کی تھی۔ یہاں اس کا اُردو ترجمہ پیش کیا جا رہا ہے جو جناب محمد اقبال مسعود ندوی نے بڑی خوبصورتی سے کیا ہے۔ اِس دلچسپ اور دل گداز تحریر کا خلاصہ بھی پیش کیا جا سکتا تھا' لیکن ''ندائے خلافت'' کے اوراق میں مستقلاً ریکارڈ کرنے کے خیال سے پوری تحریر بالا قساط چھاپی جا رہی ہے۔ یاد رہے کہ جمال عبدالناصر کی حکومت نے کچھ ہی عرصہ بعد 1966ء میں سید قطب کو پھانسی دے دی تھی (س۔ق۔م)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

1948ء میں مجھے وزارتِ تعلیم کی طرف سے اعلیٰ تعلیم کے لیے امریکا بھیجا گیا تھا۔ میں اُس وقت اخوان کے بارے میں بہت معمولی واقفیت رکھتا تھا' مگر جب 1949ء میں اخوان کے بانی حسن البناء کو شہید کیا گیا تو میں یہ بات محسوس کیے بغیر نہ رہ سکا کہ تمام امریکی و برطانوی اخبارات نے اِس خبر کو بہت اہمیت دی اور بظاہر افسوس مگر بباطن خوشی اور اطمینان کا اظہار کیا۔ اُنہیں اطمینان اِس بات کا تھا کہ اخوان کی جماعت پر پابندی لگا دی گئی ہے' کیونکہ اِس جماعت کی وجہ سے شرق اوسط کی حساس علاقے میں مغربی مفادات پر چوٹ آ رہی تھی اور فرنگی تہذیبی قدریں رُوبزوال ہونے لگی تھیں۔

1950ء میں کتنی ہی کتابیں وہاں اِس انداز کی شائع ہوئیں۔ اُس وقت میرے ذہن میں صرف ایک امریکی مصنف جیمز ہیوارٹ ڈان کی کتاب ہے جس کا عنوان ہے: ''جدید مصر میں سیاسی اور دینی لہریں''۔ مجھے اُس وقت اندازہ ہوا کہ صہیونی سازش پسندوں اور مغربی استعمار کی نظر میں یہ جماعت اُن کے مفادات کے لیے کتنی نقصان دہ ہے۔

اُسی زمانے کی بات ہے' جب میری کتاب ''اسلام میں اجتماعی عدل'' شائع ہوئی۔ 1949ء کے آس پاس اِس میں' میں نے جو چند سطریں بطور انتساب لکھیں' وہ اِس طرح تھیں:

> اُن نوجوانوں کے نام جو میرے حُسنِ تخیل میں زندہ و تابندہ ہیں اور جو اِس دین کو وہ مقام دلا کر رہیں گے' جس پر یہ ابتدائی زمانے میں فائز تھا۔ وہ اللہ کی راہ میں جہاد کرتے رہیں گے' خواہ کوئی انہیں ملامت کرے یا اُن کا مذاق اڑائے''

میری اِس عبارت میں کسی فرد یا جماعت کی طرف اشارہ نہ تھا' مگر اخوان کے حلقے میں یہ سمجھا گیا کہ اس کے مخاطب اخوانی ہیں۔ یہ کتاب اُن کے دل کی آواز بھی تھی' اور وہ مصنف کے مکمل طور پر ہم خیال تھے۔ اُن کی کوشش رہتی کہ وہ مجھ سے رابطہ قائم کریں۔ میں 1950ء کے آخر میں واپس مصر آ گیا۔ اب اخوانی نوجوان آ کر مجھ سے ملنے لگے۔ کتاب کے حوالے سے تبادلۂ خیال ہوتا۔ جماعت خود اُس وقت معتوب تھی۔ اس لیے اس کا کوئی مرکز تھا' نہ سلسلہ وار اجتماعات کا امکان تھا۔

1951ء سے خود میری مصروفیت یہ تھی کہ میں شاہی نظام اور جاگیردارانہ مزاج کے خلاف قلمی محاذ کھول چکا تھا۔ اس سلسلے میں میری دو کتابیں شائع ہوئیں۔ میں نے بے شمار مقالات اور مضامین لکھے اور ہر اُس پرچے میں بھیجے جو ایسا مواد شائع کرنے میں دلچسپی رکھتا ہو۔ بیشتر مقالات ''جدید قومی پارٹی'' اور ''اشتراکی پارٹی'' کے ترجمان جرائد میں چھپے۔ ماہنامہ ''دعوۃ'' اُس وقت صالح عشماوی نکالا کرتے تھے۔ یہ اخوان کا ترجمان تھا۔ اُس نے بھی میرے مضامین چھاپے۔ کئی مضمون الرسالہ میں بھی چھپے۔ اُس وقت یہ سوال پیش نظر نہ تھا کہ میں کسی پارٹی کا ہوں یا چھاپنے والا پرچہ کس جماعت کا ہے۔ پھر 23 جولائی 1952ء کو وہ انقلاب آ گیا جس نے شاہی نظام کی بساط لپیٹ دی۔

اب میری تحریریں انقلاب لانے والوں کے ساتھ تھیں' مگر پھر یہ ہوا کہ جیسے جیسے حکومت پر گرفت مضبوط ہونے لگی' انقلاب کی رُوح غائب ہوتی چلی گئی۔ میں اِس تبدیلی کا ساتھ نہ دے سکتا تھا۔ پھر بھی یہ کوشش کرتا رہا کہ آزادیٔ رائے سے فائدہ اٹھاؤں اور وہ اسباب سامنے لاؤں جن سے انقلاب نے جنم لیا تھا اور وہ خطرات پیش کروں جو انقلاب کے صحیح راستے سے ہٹنے کی بناء پر پیدا ہو سکتے تھے۔

یہ وہ زمانہ تھا جب میں اِس نتیجے پر پہنچا کہ اسلامی انداز پر کام کرنے کے لیے اِس وقت سب سے موزوں جماعت صرف ''اخوان'' ہے اور یہی واحد تنظیم ہے جو عالمِ عرب کے وسیع خطے کے اندر اسلام کی نشاۃ ثانیہ میں قائدانہ رول ادا کر سکتی ہے۔ امریکا کے زمانہ قیام کا میرا مطالعہ بھی تھا کہ ہمارے یہاں جو صہیونی اور مغربی استعماری سازشیں چل رہی ہیں' اُن کی تکمیل کی راہ میں اگر کوئی جماعت رکاوٹ بن سکتی ہے تو وہ ''اخوان'' ہے۔ بالآخر 1953ء میں اخوان کی رُکنیت میں نے حاصل کر لی۔

میری رُکنیت کا جماعت کے حلقوں میں خوشگوار اثر ہوا۔ منگل کے روز کا مشہور درسِ قرآن میرے ذمے تھا اور جماعت کے پرچے کی ادارت بھی مجھے سونپی گئی۔ میں نے کچھ پمفلٹ تیار کیے تھے جو ہر ماہ چھپتے تھے۔ اس کے سوا جماعت کے تنظیمی امور اور پالیسی سازی میں میرا کوئی عمل دخل نہ تھا۔

پھر 1954ء کا حادثہ پیش آ گیا' جس میں اخوان کے رہنما گرفتار کر لیے گئے۔ میں بھی اسیروں کی صف میں تھا۔ رہائی مارچ میں ہو گئی' مگر 26 اکتوبر کو مجھے پھر گرفتار کر لیا گیا۔ اب الزام یہ تھا کہ جماعت نے ایک خفیہ دہشت پسند تنظیم قائم کر رکھی ہے اور میں اُس کا رُکن ہوں اور اس کے پروپیگنڈے کا ذمہ دار ہوں۔ حالانکہ یہ سراسر بہتان تھا۔ جماعت کا کوئی خفیہ شعبہ نہ تھا اور نہ میرا ایسے کسی شعبے سے کوئی تعلق تھا۔

> 1952ء میں انقلاب آیا تو میری تحریریں انقلابیوں کے ساتھ تھیں۔ پھر یہ ہوا کہ جیسے ہی حکومت پر اُن کی گرفت مضبوط ہوئی' انقلاب کی روح غائب ہو گئی۔ اب میں نے ان خطرات کو پیش کرنا شروع کر دیا جو انقلاب کے صحیح راستے سے ہٹنے سے پیدا ہو سکتے تھے

وہ حادثہ جو آئندہ کے تمام واقعات کا پیش خیمہ بنا' تاریخ میں ''منشیۃ'' کے نام سے مشہور ہے۔ اس حادثے میں یہ ہوا تھا کہ ایک اجتماع میں جمال عبدالناصر پر ایک شخص نے گولی چلائی جو لگ نہ سکی۔ حملہ آور محمود عبداللطیف گرفتار ہوا۔ یہ کہا گیا کہ وہ جماعت اخوان کا رُکن تھا اور اُن کی سازش پر بھیجا گیا تھا' تاکہ اس طرح اخوان حکومت پر قبضہ کرلیں۔ اس حادثے کا ذکر میں کچھ تفصیل سے کروں گا۔

امریکا کی سازش

یہ 1951ء کی بات ہے۔ ایک صاحب تھے' ڈاکٹر احمد حسین۔ اُس وقت وفد پارٹی کی حکومت تھی۔ یہ اُس میں سماجی بہبود کے وزیر تھے۔ یہ وزیر صاحب 1951ء میں امریکا کے ایک سرکاری دورے پر گئے' مگر واپس آئے تو اِس طرح کہ وزارت سے استعفا دے چکے تھے۔ وزیراعظم نحاس پاشا نے ممکنہ ترغیبات سے استعفا واپس لینے پر آمادہ کیا' مگر وہ اپنے فیصلے پر قائم رہے۔ پھر انہوں نے ایک تنظیم کا بنانے اعلان کیا' جس کا نام تھا ''جمعیتِ فلاح''۔ اس کے بنیادی مقاصد یہ تھے کہ کسانوں اور مزدوروں کی اجتماعی فلاح و بہبود کا کام کیا جائے اور انہیں معاشرتی انصاف دلوایا جائے۔ اِس تمام کام کی تکمیل کے لیے ایک بھاری بھرکم منصوبے کا اعلان کیا گیا۔

امریکی اخبارات نے اِس تنظیم کو جس طرح کھل کر سراہا' اُس نے اِس کا تعلق اِس علاقے میں امریکی سیاست سے واضح کر دیا۔ نوجوان احمد حسین اور اُس کی بیوی کے اردگرد' جو کسی امریکی یونیورسٹی کی گریجویٹ تھی' مدح خوانی کا ایسا ہالہ کھینچ دیا گیا کہ تنظیم بنتے ہی اُس کے بہت سے ممبر ہو گئے۔ ان میں وہ لوگ بھی تھے جو ڈاکٹر احمد حسین سے عمر اور تجربے میں کہیں آگے تھے۔

''جمعیتِ فلاح'' کے ارکان میں وزیر خارجہ ڈاکٹر محمد صلاح' ڈاکٹر عبدالرزاق سنہوری' مشہور قانون دان اور وزیرِ تعلیم' اخوان کے ایک زمانے میں رُکن اور بعد میں شیخ الازہر شیخ باقوری اور نہ جانے کون کون شامل تھے۔ ظاہر ہے کہ اِس قدر تیزی سے مقبولیت پانا بے معنی ہرگز نہ تھا۔ بہرحال انقلاب پرستوں اور اخوان کے درمیان اختلاف کا آغاز اِس تنظیم کی تشکیل کے بعد ہی سے ہُوا۔

''جمعیتِ فلاح'' کے سیکرٹری اُستاد فواد جلال تھے' جو جنرل نجیب کی سربراہی میں تشکیل شدہ اوّلین کابینہ میں وزیر رہ چکے تھے۔ حکومت کے حلقوں میں اُن کی پہنچ تھی۔ وہ انقلاب پرستوں اور اخوان کے درمیان اختلافات کے بیج بوتے رہے اور کوئی اختلاف سامنے آتا تو اُسے اِس طرح بڑھاتے کہ رائی کا پہاڑ بنا دیتے۔ جمال عبدالناصر اُن پر اعتماد کرتے تھے جس سے وہ فائدہ اٹھاتے۔ یہ باتیں وہ میرے سامنے بھی کیا کرتے' کیونکہ وہ یہی سمجھتے کہ میں انقلابیوں میں سے ایک ہوں اور اُن کا ہم خیال۔ کچھ اُس وقت تک میرے ساتھ میں انقلابیوں کا معاملہ تھا بھی ایسا۔ وہ مجھ پر اعتماد کرتے تھے۔ کئی تقریبات میں اُن کی نمائندگی میں کرتا اور کئی اہم منصوبوں کے لیے میرا نام زیرِ غور تھا۔ پھر اُس وقت تک فضا ایسی تھی کہ آزادی سے تبادلۂ خیال کر سکتے تھے۔ بہت سے موضوعات ایسے تھے' جن میں جمعیت کے ممبر بھی شریک ہو جاتے' جیسے مزدوروں کے مسائل' کمیونزم کا نقطۂ نظر' بلکہ اور آگے بڑھ کر انتقالِ اقتدار اور دستور سازی سے متعلق نکات۔ ایسے اہم مسائل پر بھی یہ لوگ مباحثے میں شریک ہو جاتے تھے۔

الغرض میں استاد فواد کے منصوبے اور جمعیتِ فلاح کی سرگرمیوں کو اِس نظر سے دیکھتا تھا کہ یہ ایک امریکی ذہنیت کا حامل ادارہ ہے' جس کا مقصد اخوان اور انقلابیوں کے درمیان اختلافات پیدا کرنا ہے۔

میں صرف خاموش تماشائی نہ تھا' بلکہ میں نے عملی طور سے اِس منصوبے کو ناکام بنانے میں حصہ بھی لیا اور پوری کوشش کی کہ انقلابیوں اور اخوان میں تصادم کی نوبت نہ آنے پائے' مگر مجھے اِس کا اعتراف ہے کہ میں کامیاب نہ ہوا اور دوسرا نقطۂ نظر حاوی ہو گیا۔

جس وقت منشیۃ کا حادثہ پیش آیا' اُس وقت سے اب تک میں یہی سمجھتا ہوں کہ یہ ایک پہلے سے تیار کردہ سازش تھی۔ حادثہ جس طرح پیش آیا اور جو حالات اُس وقت پائے جاتے تھے' وہ سب ایک عجیب سی ذہنی کشمکش میں ڈالتے تھے اور لگتا تھا کہ پورا واقعہ کچھ غیر فطری انداز میں پیش آیا ہے۔ میرا اُس وقت غالب احساس یہی تھا کہ اخوان اور انقلاب پرستوں کے درمیان تصادم کی جو سازش چل رہی ہے' یہ حادثہ اُس کی ایک کڑی ہے' اور جو نتائج نکلے وہ سراسر غیر ملکی عناصر کے حق میں جاتے تھے۔ میرا مشاہدہ اور تجربہ مجھے اِس نتیجے پر پہنچاتے ہیں کہ یہ حادثہ امریکی سازش کا نتیجہ تھا۔

1954ء میں فوجی جیل کے ذمہ دار صلاح دسوقی نے مجھ سے اِس واقعے کی بابت پوچھ تاچھ کی تھی۔ میں نے صراحت سے اُس کے سامنے اپنی رائے رکھی' جس کو سُن کر وہ اُچھل سا گیا اور کہنے لگا: ''تم جیسا سمجھ دار اور تعلیم یافتہ شخص بھی کہہ سکتا ہے کہ یہ ایک ڈراما تھا؟'' میں نے جواب دیا ''بالکل نہیں۔ میں نے یہ کب کہا کہ وہ ڈراما تھا۔ میں تو کہہ رہا ہوں کہ وہ پہلے سے طے شدہ سازش تھی' جس کے پیچھے ایک خاص مقصد تھا' جس کی خاطر غیر ملکی ہاتھوں نے اُسے اِس حد تک پہنچایا'' میرا جواب سن کر وہ کچھ ڈھیلا پڑا' مگر کہا کہ چلو' یہ بھی مان لیں' تب بھی اِس حقیقت سے تو انکار نہ کرسکو گے کہ جس شخص نے یہ کام کیا' وہ اخوان میں سے تھا؟

> میں جمعیت فلاح کی سرگرمیوں کو اس نظر سے دیکھتا تھا کہ یہ ایک امریکی ذہنیت کا حامل ادارہ ہے' جس کا مقصد اخوان اور انقلابیوں کے درمیان اختلافات پیدا کرنا ہے

میرا شعور اِس پر مطمئن تھا کہ یہ ایک سازش ہے' مگر میں ثبوت کی تلاش میں تھا' تاکہ حقیقت واقعہ تک پہنچ سکوں۔ جب میں 1955ء میں لیمان طرۃ جیل میں بند تھا' دیگر گرفتار اخوانی رہنماؤں سے اِس کی تفصیل پوچھی' مگر ان میں سے کوئی بھی ایسا نہ نکلا جو اِس واقعے سے واقف ہوتا۔ وہ زیادہ سے زیادہ یہ جانتے تھے کہ محمود عبداللطیف نے گولی چلائی خود محمود عبداللطیف کے واقف بھی ایک ہی بات کہتے تھے' سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ سب کچھ کیسے پیش آ گیا۔ بعض کہتے' اِس راز کا انکشاف وقت گزرنے کے بعد ہی ہوگا۔

اس کی شہادت نہ بھی مل سکے' مگر نتیجہ پھر بھی یہی رہے گا۔ میرا احساس یہی کہتا ہے۔ مسئلے کو ایک اور زاویے سے دیکھیے۔ صیہونیت اور مغربی استعمار کی سوچی سمجھی سیاست یہ رہی ہے کہ اگر اِس علاقے میں اپنے مفادات کا تحفظ کرنا ہے تو اخوان المسلمون کو راہ سے ہٹانا ضروری ہے۔ یہ سیاست کامیاب ہوگئی۔ اسی لیے میں کہتا ہوں کہ اِن سازشوں کو پھلنے کا موقع ملا' اور اب بھی وقت کا تقاضا یہی ہے کہ اسلامی تحریک میں پھر سے رُوح پھونکی جائے' کیونکہ صرف اسی طرح اغیار کی سازشیں ناکام ہوسکتی ہیں۔ یہ ایک ایسا فریضہ ہے جو ہر حال میں ادا کرنا چاہیے' خواہ حکومت اپنی بعض مصلحتوں کے سبب اسے پسند نہ کرے۔ حکومت اگر صحیح طرح سے سوچ سکتی ہے تو غلطی بھی کرسکتی ہے اور اِس چبھن کا کیا کیا جائے کہ اس حادثے کے نتیجے میں ہزاروں افراد ظلم کا نشانہ بنے۔ ہزاروں گھر اور خاندان اُجاڑ دیے گئے۔ اگر بات صرف اس قدر ہوتی کہ ایک شخص نے گولی چلا دی تو پھر یہ سب کیوں ہوا؟ اور کیوں غیر ملکی صحافت اور تشہیر بازوں کی بات قبول کر لی گئی کہ اِس حادثے کے ذمہ دار اخوان ہیں جن کی بیخ کنی نہ کی گئی تو ملک خطرے میں پڑ جائے گا اور انقلاب باقی نہ رہے گا؟ کیا واقعۃً ایسا ہی تھا؟ کتنی ہی کتابیں لکھی گئیں۔ بے شمار پمفلٹ اور رسالے چھپے۔ یہ بات مغرب میں اس طرح الاپی گئی کہ جھوٹ سچ لگنے لگا۔ سنجیدہ تجزیوں تک میں یہی نقطۂ نظر دہرایا گیا۔ جانسن رپورٹ تیار ہوئی تھی' دریائے اُردن کے بارے میں۔ اُس میں بھی یہی بات اُبھار کر پیش کی گئی۔

(جاری ہے)

دکھوں کا مداوا

شاہدہ شوکت ظفر

ہماری زندگی محض ایک رسم بن کر رہ گئی ہے۔ ہم رسم ورواج کے غلام ہو گئے ہیں۔ رسم ورواج ہماری زندگی میں ایسے شامل ہو گئے ہیں کہ انہیں ہم دین کا حصہ بنائے بیٹھے ہیں۔ دین پس منظر میں چلا گیا ہے۔ اُسے ہم جاننا نہیں چاہتے کہ کہیں رسم ورواج چھوٹ نہ جائیں اگر ایسا ہو گیا تو گناہ ہو گا۔ جو توانائی ہمیں دین کو عملی صورت میں ڈھالنے کے لیے لگانی چاہیے وہ ہم دین نامنظور کرنے میں لگا رہے ہیں۔

حالانکہ ہمیں یہ سوچنا چاہئے کہ دین کے ہر حکم کو ہم آج کے دور میں کیسے اپنی زندگی میں شامل کر سکتے ہیں۔ یوں اللہ کی مدد ہمارے شامل حال ہوگی۔ دنیا کی محبت کی وجہ سے بزدلی ہمارا شعار بن چکی ہے۔ حسد میں ہم مبتلا ہیں اور اخلاقی حالت کا تو بیڑہ غرق ہی ہو چکا ہے۔ وہ باتیں جو ایک مسلمان کے وجود کا لازمی حصہ تھیں کہ مسلمان کسی کو دھوکہ نہیں دیتا' ایسی باتوں کی ہمارے ہاں کوئی اہمیت ہی نہیں رہی۔ مسلمان جھوٹ نہیں بولتا' دوسروں کو تکلیف نہیں پہنچاتا خواب وخیال ہوگئی ہیں۔ ہمیں یہ بھی سمجھ نہیں آ رہی کہ دنیا میں سب سے زیادہ بے عزتی مسلمان کیوں برداشت کر رہے ہیں۔ ہمارا خون' پانی سے بھی سستا ہو گیا ہے۔ جتنا جس کا دل چاہ رہا ہے' بہا رہا ہے۔ کوئی احتجاج کرنے والا اور بدلہ لینے والا نہیں۔

ان سارے عذابوں اور دکھوں کا ایک ہی علاج ہے اور وہ ہے کتاب اللہ کو سمجھ کر پڑھنا اور اس پر عمل پیرا ہونے کے لیے رسول کریم ﷺ کی سنت مطہرہ کو زندہ کرنا جس کا ثواب سو شہیدوں کے برابر ہے۔ چھوٹی سے چھوٹی سنت بھی بڑے اجر وثواب کا باعث ہے۔ افراد کی انفرادی زندگی ہی وہ چیز ہے جس سے ایک اچھا یا برا معاشرہ تشکیل پاتا ہے۔ معاشرے کی اچھائیوں اور برائیوں کا ایک معیار وہ ہے جو ہم نے علمی' لاعلمی' ذاتی سمجھ بوجھ' ذاتی مفادات کو سامنے رکھ کر قائم کر لیا ہے' اور ایک وہ معیار ہے جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں اپنی کتاب میں دیا ہے لیکن مسلمانوں کی اکثریت جب اسے پڑھتی ہی نہیں تو وہ عمل کیسے کریں گے۔ بدقسمتی سے جو لوگ قرآن پڑھنے اور عامل ہونے کے دعویدار بھی ہیں' وہ بھی اکثر وبیشتر كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ کے مصداق اپنی پارٹی' اپنے گروہ' اور اپنے فرقے میں پڑ کر قرآن کے اصل مقصد اور پیغام سے غافل ہو چکے ہیں۔

اس پس منظر میں ہمارے معاشرے کی جو تصویر دکھائی دیتی ہے وہ یہ ہے کہ گھروں میں ٹی وی پر موسیقی ناچ رنگ کے پروگرام' سکولوں میں اسٹیج شو' ڈرامے وغیرہ پیش کئے جا رہے ہیں' جو صریحاً برائی کو فروغ دینے والے ہیں۔ ستم ظریفی کی حد یہ ہے کہ یہ سب پروگرام تلاوت قرآن کی بنتی نہیں۔ آئے روز ٹی وی پر پروپیگنڈہ ہوتا ہے کہ ہر طرف امن کا دور دورہ ہے' بڑی ترقی ہو چکی ہے' معاشی سطح پر پاکستان کا امیج بہت بلند ہوا ہے۔ بین الاقوامی سرمایہ دار اپنا سرمایہ یہاں لگانے میں بڑی دلچسپی رکھتے ہیں۔ پاکستان ان کے لیے بڑی پُرکشش جگہ ہے۔ بعض دفعہ یوں لگتا ہے جیسے سب سرمایہ دار پاکستان ہی کی طرف دوڑے چلے آ رہے ہیں۔ معاشی استحکام کے دعوؤں کو کیسے مانا جائے' جبکہ عام آدمی کے لیے جینا دوبھر ہو گیا ہے۔ وہ چیزیں مثلاً سبزی اور دالیں جنہیں کم تنخواہ دار لوگ استعمال کر کے گزارہ کر لیا کرتے تھے۔ اتنی مہنگی ہو گئی ہیں کہ اف' ہائے.....!

مشرف صاحب! آپ ہماری ڈوبتی کشتی کے ملاح بن کر اسے بچا سکتے ہیں۔ آپ قابل انسان ہیں لیکن شاید حقیقی ایمان کی لذت سے نا آشنا۔ سنئے مشرف صاحب ربّ رحیم مواقع بار بار عنایت نہیں فرماتا اور تاریخ کیا سے کیا موڑ اختیار کرتی چلی جا رہی ہے۔ ذرا سوچئے! لوگ آپ کے بارے میں مستقبل میں کیا پڑھیں گے؟ کیا آپ

جناب صدر! حیات مستعار کا کوئی بھروسہ نہیں۔ جانے کب زندگی کی ڈور اللہ کھینچ لے۔ روشن خیال اعتدال پسندی' جسے تاریک خیال انتہا پسندی کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا' کی بجائے قرآن حکیم کی روشن تعلیمات اور زندۂ جاوید نظام کی طرف قدم بڑھایئے۔ یہی قوم کے دکھوں کا مداوا ہے

پاک سے شروع کئے جاتے ہیں۔ فنکار اور فنکارائیں جن کی ذاتی زندگی کی گندگی پہلے تو ڈھکی چھپی ہوتی تھی اب صاف عیاں ہوتی جا رہی ہیں۔ برائی کا حساس دل میں باقی رہے جسے ایمان کا کمزور ترین درجہ کہا گیا ہے' تو کبھی نہ کبھی انسان زندگی میں اسے درست کر ہی لیتا ہے' لیکن برائی اس طرح چھا جائے کہ گناہ کا احساس ہی جاتا رہے تو پھر درستگی نہیں ہوتی۔ بے شمار لوگ دیکھے ہیں' جو سچائی کی لذت سے نا آشنا اور مسلسل جھوٹ بول رہے ہوتے ہیں۔ یہاں تک کہ انہیں احساس بھی نہیں ہوتا کہ وہ کبیرہ گناہ کے مرتکب ہو رہے ہیں۔

حکمران طبقہ کو بھی جھوٹ کی لت پڑ چکی ہے۔ ان کے خیال میں جھوٹ ان کی ضرورت ہے کہ اس کے بغیر ان مستقبل کے پاکستانیوں کو اور دنیا بھر کے لوگوں کو اپنا کوئی مثبت تصور دیں گے جو ہماری آئندہ نسل کے لیے باعث فخر ہو؟ یاد رکھئے' حیات مستعار کا کوئی بھروسہ نہیں' نہ جانے کب زندگی کی ڈور اللہ تعالیٰ کھینچ لے۔ اس سے پہلے کہ آخرت کا سخت محاسبہ ہو' خود اپنا احتساب کیجئے۔ روشن خیالی اعتدال پسندی یا صحیح لفظوں میں ''تاریک خیالی انتہا پسندی'' نہ آپ کے لئے مفید اور نہ قوم رسول ہاشمی اسے کبھی قبول کرے گی۔ جناب صدر پاکستان کے اساسی نظریے کی جانب پیش قدمی کیجئے' قرآن کی روشنی تعلیمات اور زندۂ جاوید نظام کی طرف قدم بڑھایئے۔ یہی قوم کے دکھوں کا مداوا ہے۔ شاید یہ قوم گرداب سے نکل آئے اور تاریخ میں اور اللہ کے ہاں آپ کو سچی ناموری عطا ہو جائے۔

❁ ❁ ❁ ❁

تنظیم اسلامی کا پیغام
نظامِ خلافت کا قیام

یادوں کی تسبیح

مری صُراحی سے قطرہ قطرہ نئے حوادث ٹپک رہے ہیں میں اپنی تسبیحِ روز و شب کا شمار کرتا ہوں دانہ دانہ

قاضی عبدالقادر

پڑھائی کا ایک سال ہمارا ضائع ہوگیا۔ کراچی میں نیا سیشن جولائی سے شروع ہوتا تھا۔ گورنمنٹ نے سرکاری ملازمین کے بچوں کے لئے کراچی میں تین چار جگہ اسکول کھول دیئے تھے۔ میں کسی سرکاری ملازم کا ''لڑکا'' نہیں تھا لیکن ایک عزیز کی مہربانی سے جو سرکاری ملازم تھے' مجھے پاکستان سینٹرل گورنمنٹ ہائی سکول نمبر 1 جیکب لائن (جہاں اب ٹیکنیکل ہائی اسکول ہے) میں نویں کلاس میں داخلہ مل گیا۔ یہ عام لوگوں کا اسکول تھا مگر سردار عبدالرب نشتر جو اس وقت مرکزی وزیر مواصلات تھے ان کا لڑکا بھی اسی سکول میں پڑھتا تھا اور سائیکل پر آتا جاتا تھا۔ اس زمانہ میں کوئی اونچ نیچ نہیں تھی اور سادگی عام تھی۔ ع تیری سرکاری میں پہنچے تو سبھی ایک ہوئے!

نویں کلاس کا امتحان اس زمانہ میں اسکول ہی میں ہوتا تھا۔ دسویں کا امتحان بھی اس وقت تک چونکہ کوئی بورڈ نہیں تھا' نہ ہی کراچی یونیورسٹی قائم ہوئی تھی اس لئے سندھ یونیورسٹی سے ہوتا تھا۔ نویں پاس کر کے ہم دسویں میں آ گئے۔ اسکول میں دو شفٹیں ہوتی تھیں۔ جماعت اسلامی کے دو استاد دہلی سے ہجرت کر کے اسی اسکول میں پڑھا رہے تھے۔ خواجہ محمد صدیق صاحب پہلی شفٹ میں اور ماسٹر ممتاز حسین صاحب دوسری شفٹ میں تھے۔ دونوں یکے بعد دیگرے کراچی کی جماعت کے امیر رہ چکے ہیں۔

تبلیغی جماعت کا کام ہم پر جنون کی طرح سوار تھا چنانچہ ہم نے اسے اسکول میں بھی کرنا شروع کر دیا۔ سب سے پہلے اسکول میں مسجد کی طرف توجہ دی گئی۔ ایک بہت چھوٹی سی ٹاٹ کی چھت کی مسجد تھی۔ ہیڈ ماسٹر مختار احمد صاحب تھے۔ انہوں نے بہت تعاون کیا۔ ہم نے مسجد کو پختہ کرایا۔ ایک بڑی ٹنکی بنوائی جس کے چاروں طرف وضو کے لئے نلکے لگوائے گئے۔ تبلیغ کے لئے ہم نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ ہر کلاس میں ایک ایک نگران بنا دیا' جو وقفہ کے دوران اپنی کلاس کے ساتھیوں کو نماز کے لئے چلنے پر راغب کرتا۔ چنانچہ دیکھتے ہی دیکھتے مسجد میں نمازیوں کی تعداد بہت بڑھ گئی۔ ایک کام یہ کیا کہ اسکول شروع ہونے سے خاصے پہلے ہم لوگ (یعنی کلاسوں کے نگران) پہنچ جاتے اور کلاس کے بلیک بورڈ کو صاف کر کے چاک سے قرآن حکیم کی کسی آیت کا ترجمہ یا کوئی حدیث تحریر کر دیتے تاکہ جب لڑکے کلاس میں آئیں تو سب سے پہلے اس کو پڑھیں۔ ہمارے پاس تاج کمپنی کی ایک کتاب ''نسخہ کیمیا'' تھی۔ ہم ایک روز پہلے اس میں سے آیت یا حدیث کا انتخاب کر کے تمام نگرانوں کو دے دیا کرتے تھے۔ اس کے اثرات بہت اچھے ہوئے۔

یہ وہ زمانہ تھا جب حکومت نے جماعت اسلامی کے خلاف مہم چلا رکھی تھی۔ تمام سرکاری دفتروں میں سرکلر بھیجا گیا تھا کہ چونکہ جماعت اسلامی ایک سیاسی جماعت ہے اس لئے اس کا کوئی رکن سرکاری دفتر میں نہیں رہ سکتا۔ نیز جماعت اسلامی کے خلاف پروپیگنڈہ کا طوفان اٹھا دیا تھا۔ ہم اس سب سے بے خبر تھے اور اسکول میں اپنا تبلیغی کام منظم انداز میں زور شور سے کئے جا رہے تھے۔ اسکول کے ہیڈ ماسٹر مختار صاحب جو ہمارے ساتھ تعاون کرتے تھے' تبدیل ہو گئے اور ان کی جگہ جعفری صاحب ہیڈ ماسٹر ہو کر آ گئے۔ انہوں نے اسکول میں جب ہمارا تبلیغی کام دیکھا تو ان کے کان کھڑے ہو گئے۔ ایک روز ہماری طلبی ہوئی۔

> سکول کے نئے ہیڈ ماسٹر جعفری صاحب نے ہمارا تبلیغی کام ہوتے دیکھا' تو ان کے کان کھڑے ہو گئے۔ ایک روز ہماری طلبی ہوئی۔ انہوں نے ہمیں ڈانٹ پلائی کہ تم یہ کام کیوں کرتے ہو۔ تمہیں پتہ نہیں' جماعت اسلامی کے کام پر پابندی ہے

میرے ساتھ دو ساتھی اور بھی تھے محمد صدیق قریشی (جو اب آرکیٹیکٹ ہیں اور جماعت اسلامی کے رکن) اور صلاح الدین۔

انہوں نے ہمیں ڈانٹ پلائی کہ تم لوگ یہ سب کام کیوں کر رہے ہو۔ اسکول پڑھائی کے لئے ہے' یہاں صرف پڑھنے کو آؤ۔ تمہیں پتہ نہیں' جماعت اسلامی کے کام پر پابندی ہے اور میں تمہیں اسکول میں جماعت اسلامی کا کام بالکل نہیں کرنے دوں گا۔ ہم نے ان کی زبان سے پہلی بار جماعت اسلامی کا نام سنا۔ ہم نے کہا کہ ہم جماعت اسلامی کو بالکل نہیں جانتے۔ ہم تو تبلیغ کا فریضہ انجام دے رہے ہیں جو ہر مسلمان پر فرض ہے۔ ہم تو کہتے ہیں ﴿وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا﴾ اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لو۔ مذاحیہ انداز میں کہنے لگے کہ کہاں ہے وہ اللہ کی ''رسی'' مجھے دکھاؤ۔ ہم نے کہا کہ وہ ہمارا دین ہے۔ تبلیغی جماعت میں ہم نے قرآن مجید کی یہ آیت اور اس کا ترجمہ پڑھ رکھا تھا: ﴿وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۝﴾ (آل عمران: 104) یعنی ''تم میں ایک جماعت تو ایسی ہونی چاہیے جو خیر کی طرف دعوت دے' اچھے کاموں کا حکم دے اور برائی سے روکے اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں''۔ ہم نے یہ آیت اور اس کا ترجمہ پڑھ دیا۔ ترجمہ میں چونکہ ''جماعت'' کا لفظ آیا تھا' فوراً کہنے لگے کہ تم خود ''جماعت'' کا اقرار کر رہے ہو' یقیناً تم جماعت اسلامی کے ہو۔ ہم نے پھر کہا کہ یہ تو قرآن مجید کی ''جماعت'' ہے۔ ہم کسی ''جماعت اسلامی'' سے واقف نہیں۔ غصہ ہو کر کہنے لگے کہ کیا تم نے مجھے بے وقوف سمجھا ہے جو میں تم لوگوں کی باتوں میں آ جاؤں گا۔ جان لو' کل سے اسکول میں اس طرح کا کوئی کام نہیں ہوگا' ورنہ میں دیکھ لوں گا۔ صدیق قریشی نے بھی جواباً ذرا تیزی سے کہا کہ آپ کیا دیکھ لیں گے۔ چلا کر کہا کہ نکل جاؤ میرے کمرہ سے' اور ہم خاموشی سے باہر نکل آئے۔

ہم لوگوں کے میٹرک کے امتحانی فارم اسکول سے یونیورسٹی کو جا رہے تھے۔ ہیڈ ماسٹر نے یہ کیا کہ صدیق قریشی کا امتحانی فارم روک لیا' حالانکہ روکنا میرا چاہیے تھا کہ میں اس وقت ''لیڈر'' تھا لیکن چونکہ صدیق قریشی نے سختی سے بات کی تھی تو نزلہ اس بیچارہ پر گرا۔ خیر ہم نے چند اساتذہ سے کہہ کر اور ان کو بیچ میں ڈال کر معاملہ رفع دفع کرایا اور صدیق قریشی کا فارم بھجوا دیا گیا ـــــ لیکن اس کے بعد ہم کئی روز تک یہ سوچتے رہے کہ آخر ''جماعت اسلامی'' ہے کیا! شکر ہے ہیڈ ماسٹر صاحب نے حُبِّ علی میں نہیں بُغضِ معاویہ میں ہی سہی ''جماعت اسلامی'' سے ہمارا تعارف کرا دیا' جو آگے چل کر کام آیا۔

جگایا ہمیں کس نے ٹھوکر لگا کر
بڑی مہربانی' بڑی مہربانی

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کا نام بھی ہم نے سب سے پہلے اس وقت سنا جب اسکول میں ''پردہ'' کے موضوع پر ایک مباحثہ (Debate) ہونا تھا اور ایک ساتھی کو ''پردہ'' کے حق میں بولنا تھا۔ ایک استاد غالباً ماسٹر ممتاز حسین صاحب نے اسے مشورہ دیا کہ اس موضوع پر مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کی بڑی اچھی کتاب ''پردہ'' ہے' اسے پڑھ لو۔ یوں ہم مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی اور جماعت اسلامی کے نام سے تو واقف ہو گئے تھے لیکن ان دونوں کے آپس کے تعلق کے بارے میں ہمیں کوئی علم نہیں تھا۔

گھر کے قریب پاکستان مسجد تھی' جس میں ہم نماز ادا کرتے تھے۔ اُس کی پہلی منزل پر جانے کے لئے جو دروازہ تھا اُس پر ایک چھوٹی سی تختی لگی ہوئی تھی جس پر تحریر تھا کہ اس مسجد میں پہلی منزل پر ہر اتوار کو بعد نماز ظہر جماعت اسلامی کا اجتماع ہوتا ہے۔ شرکت کی عام دعوت ہے۔ ہم سوچتے تھے کہ اسکول میں جو ہم تبلیغی اور دینی کام کر رہے تھے جسے ہیڈ ماسٹر صاحب نے جماعت اسلامی کا کام بتایا تو لازماً جماعت اسلامی ایسے ہی کام کرتی ہوگی۔ مسجد میں یہ تختی کتنی ہی بار پڑھی لیکن کبھی دھیان نہیں دیا۔ اب جو ہمارے کام کو جماعت اسلامی سے نسبت دی گئی تو خیال آیا کہ چلو ان کے اجتماع میں بیٹھ کر دیکھنا چاہیے کہ وہ کیا کام کرتے ہیں۔ چنانچہ ایک اتوار کو ہم اوپر چڑھے تو دیکھا کہ دائرہ بنائے کچھ لوگ بیٹھے ہیں اور ہر ایک کے سامنے رحل میں قرآن حکیم کا نسخہ رکھا ہوا ہے۔ ہم نے جو یہ دیکھا تو سوچا کہ وہ قرآن شریف سنیں گے۔ ہمیں کچھ جھجک ہوئی سو الٹے پاؤں لوٹ آئے ـــــ قرآن حکیم ہم نے ناظرہ تو پڑھا ہوا تھا لیکن اس کے ترجمہ سے واقف نہیں تھے۔ ہاں ایک بار علی گڑھ میں یوسف زلیخا کا قصہ پڑھنے کے لئے کسی نے سورۂ یوسف پڑھنے کو کہا تھا جو ہم نے قرآن مجید میں پڑھ ڈالی' کچھ سمجھ میں آیا کچھ نہیں۔ البتہ یوسف زلیخا کا تذکرہ پڑھ لیا' خاص کر زلیخا کا حضرت یوسفؑ کے دامن کو پھاڑنا۔

دامن کو چاک کر کے رسوا ہوئی ہے کیا کیا
تھی عصمتِ زلیخا یوسف کے پیرہن میں

اگلا اتوار آیا تو دل نے کہا کہ ایسی بھی کیا بات' چل کر دیکھنا تو چاہیے کہ جماعت اسلامی کیا ہوتی ہے' کیا کرتی ہے۔ چنانچہ ہمت کر کے ہم پھر اوپر چڑھ گئے اور دائرہ میں سکڑ سکڑا کر بیٹھ گئے۔ اخلاق حسین صاحب درسِ قرآن دے رہے تھے۔ ہم نے بھی قرآن مجید کا وہ صفحہ کھول لیا اور غور سے اُن کا درس سننے لگے۔ درس بہت اچھا لگا' جس نے ذہن کے دریچے کھول دیئے۔ یہ اس سے بالکل مختلف تھا جو کام ہم اب تک کرتے رہے تھے۔ دل نے کہا کہ یہ ہے کام کرنے کا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ اخلاق حسین صاحب ایک بڑے تاجر تھے اور اس حلقہ کی جماعت کے ناظم۔ بعد میں وہ اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ کے مینیجنگ ڈائریکٹر بھی بنے۔ ان کے درس کے بعد سید اسعد گیلانی صاحب نے خبروں پر تبصرہ کیا۔ موصوف اسی علاقہ میں رہتے تھے اور ہفت روزہ ''جہانِ نو'' شائع کرتے تھے۔ بہت پر مغز تبصرہ تھا' بہت ہی پسند آیا۔ خبروں پر تبصرہ کے بعد ایک صاحب نے اپنے تھیلے سے کتابیں نکال کر پھیلا دیں۔ یہ جماعت کے رکن محمد یوسف پہاڑ والا تھے۔ کچھ لوگوں نے کتابیں واپس کیں اور نئی ایشو کرائیں۔ ہم نے بھی ایک کتاب ایشو کرائی۔ نام اس وقت یاد نہیں آ رہا کہ وہ پہلی کتاب کون سی تھی ـــــ اب تو ہر اتوار کو اجتماع میں شرکت کرنا ہمارا معمول بن گیا۔

اب ہر اتوار کو اجتماع میں شرکت کرنا ہمارا معمول بن گیا۔ کتب کا مطالعہ جاری تھا۔ میٹرک کے امتحان سر پر تھے۔ ایک طرف امتحان کی تیاری اور دوسری طرف مولانا مودودی کی کتب کا مطالعہ۔ گویا اسکول کی پڑھائی اور چکی کی یہ مشقت دونوں جاری تھیں

کتاب اگر جلد ختم کر لیتے تھے تو یوسف صاحب کے فلیٹ پر جا کر دوسری لے آتے تھے۔ یوں ہم نے رفتہ رفتہ مولانا مودودی کی تقریباً تمام کتب پڑھ ڈالیں۔ میٹرک کے امتحان سر پر تھے۔ ایک طرف امتحان کی تیاری اور دوسری طرف مولانا مودودی کی کتب کا مطالعہ یعنی اسکول کی پڑھائی اور چکی کی یہ مشقت دونوں بیک وقت جاری تھیں۔ تبلیغی جماعت سے ناطہ توڑ کر اب ہم جماعت اسلامی کے ''ہمدرد'' بن چکے تھے۔

آرزوئے دید جاناں ہم کو لائی بزم تک
بزم سے ہم آرزوئے دید جاناں لے چلے

اللہ تعالیٰ نے جو یہ راہ دکھائی تو اس کا ذریعہ بنی وہ تختی جو مسجد کی پہلی منزل کی سیڑھی کے دروازہ پر لگی تھی۔ ہم اس قسم کی چیزوں اور کاموں کو چھوٹا سمجھتے ہیں حالانکہ اس چھوٹی سی چیز یعنی تختی نے میری زندگی کو ''توبۃ النصوح'' کتاب کے بعد پھر ایک نیا اور صحیح رخ عطا کیا ـــــ یہاں میں اس کا تذکرہ کر دوں تو بے جا نہ ہوگا کہ ہمارے علاقہ میں آج کل جو تنظیم اسلامی کا دفتر ہے وہ ایک عمارت کی پہلی منزل پر تھا' بعد میں وہ دوسری منزل پر چلا گیا۔ ایک دفعہ میں وہاں گیا تو دیکھا کہ پہلی منزل پر تنظیم کا دفتر غائب تھا' وہاں تو کوئی اور دفتر تھا۔ میں سیڑھیاں اتر کر واپس آ رہا تھا کہ ایک رفیق ملے۔ وہ دفتر تنظیم جا رہے تھے۔ میں نے کہا' وہ تو وہاں نہیں۔ کہنے لگے کہ دوسری منزل پر ہے۔ میں نے کہا کہ پہلی منزل پر لکھ کر لگا دیا ہوتا۔ کہ دفتر دوسری منزل پر چلا گیا ہے تاکہ لوگ واپس نہ لوٹیں اور پہلی منزل کی سیڑھی پر تنظیم اسلامی لکھ کر منزل کی طرف تیر کا نشان لگا دیا ہوتا۔ مگر اتنی چھوٹی سی بات آج کس کے ذہن میں آتی ہے! کون جانتا ہے کہ ایک چھوٹی سی تختی لگانا کسی شخص کی زندگی کے رُخ کو بدلنے کا ذریعہ بن سکتا ہے۔ ان باتوں کو اب ''چھوٹا'' سمجھا جاتا ہے اور کوئی توجہ نہیں دی جاتی..... جاننا چاہئے کہ ایک بڑی منزل کا سفر پہلا قدم رکھنے ہی سے شروع ہوتا ہے۔

لاہور سے ہفت روزہ ''کوثر'' اور ماہنامہ ''ترجمان القرآن'' اور کراچی سے ہفت روزہ ''جہانِ نو'' شائع ہوتے تھے۔ یہ سب ہمارے زیر مطالعہ رہنے لگے اور ہماری فکر کی تعمیر نو میں بہت مدد و معاون ثابت ہوئے۔ اب ہم دین کے ''حرکی'' تصور سے آشنا ہو گئے تھے۔ میں اپنے ہیڈ ماسٹر صاحب کا اس سلسلہ میں بہت ممنون ہوں کہ ان کی ''مہربانی'' سے ہم یہاں تک تو پہنچے۔

سرخیٔ راہِ مغیلاں یہ پتہ دیتی ہے
تیرے دیوانے ادھر آئے' یہاں تک پہنچے

(جاری ہے)

بقیہ: مشاہدات و تاثرات

نادیہ مقبول دورہ ترجمہ قرآن کا یہ سلسلہ بہت مفید اور اچھا لگتا ہے۔ میں نے یہاں بہت سی نئی باتیں سیکھیں۔ اس سلسلے کو آئندہ بھی اسی طرح جاری رہنا چاہئے۔ خدا ہمیں قرآن کا زیادہ سے زیادہ فہم دے اور اس کے احکامات پر عمل کی توفیق دے۔ اور منیر صاحب کو جزائے خیر دے جن کی کاوشوں سے ہم درسِ قرآن سے مستفید ہوتے ہیں۔

تنظیم اسلامی پشاور کا درس

تنظیم اسلامی پشاور کے زیر اہتمام رمضان المبارک کی مناسبت سے مسجد عمر فاروق محلہ عطائی خان ہشتنگری میں مختلف موضوعات پر درس کا اہتمام کیا گیا ہے۔ دروس روزانہ نماز تراویح کے بعد قاضی فضل حکیم صاحب دیتے رہے' جس کا دورانیہ 45 منٹ ہوتا تھا' جو کہ عام لوگوں کی استعداد کے مطابق نہ کم ہے نہ بہت زیادہ ہے۔ یہ دروس قرآن حکیم اور انسانی رہنمائی' ایمانیات' شرک کی حقیقت' بندہ مومن' نبی اکرم ﷺ اور ہم' آزمائش' بڑا نصیب' مطالبات دین' جہاد فی سبیل اللہ' اور غلامی سے دوستی تک وغیرہ کے موضوعات پر ہوئے۔ قاضی فضل حکیم صاحب کی عدم موجودگی میں تنظیم اسلامی پشاور کے امیر جناب خورشید انجم صاحب نے موجودہ حالات پر تبصرہ کرتے ہوئے سورۃ الروم کی آیت کی تشریح کی اور کہا کہ موجودہ حالات میں جو کچھ ہو رہا ہے۔ یہ سب ہمارے اعمال کا نتیجہ ہے۔

(مرتب کردہ: محمد ابراہیم بن میجر (ر) فتح محمد)

مختاراں مائی مختاراں مائیوں کے دیس میں

عرفان صدیقی

میر والا کی مختاراں مائی آخر کیا لینے امریکہ گئی تھی؟ اگر ریاست ہائے متحدہ امریکہ فرشتوں کی آماجگاہ ہوتی اور چار سو اُن کے نورانی پروں کی سرسراہٹ فردوس بریں کا سماں پیش کر رہی ہوتی تو کوئی مضائقہ نہ تھا۔ اگر وہاں عورت کے تقدس کی نگہبانی کو ایمان و ایقان کا درجہ حاصل ہوتا اور 28 کروڑ افراد کی قوم اس کی تقدیس کو اپنی تہذیب کی ارفع ترین ترجیح خیال کرتی تو بھی درست تھا۔ اگر وہاں کے کوچہ و بازار میں کسی خاتون کے دکھائی دینے پر مردوں کی نگاہیں جھک جاتیں اور وہ راستہ چھوڑ کر دست بستہ کھڑے ہو جاتے تو بھی یہ دورہ قابل فہم تھا۔ اگر وہاں کی خواتین کی آنکھیں شرم و حیا سے چھلک رہی ہوتیں اور ان کی عباؤں اور قباؤں سے پاکیزگی کی شعاعیں پھوٹ رہی ہوتیں تو بھی کوئی حرج نہ تھی۔ اگر وہاں کسی خاتون کی طرف میلی آنکھ سے دیکھنے والوں کو نمونہ عبرت بنا دیا جاتا اور ایسا قبیح جرم کرنے والوں کی نسلیں بھی نادم رہتیں تو بھی بات روا تھی۔ اگر امریکی سماج عورتوں سے کسی بھی نوع کی زیادتی' اُن پر کسی بھی طرح کے جبر اور ان کے کسی بھی حق کی پامالی کے واقعات سے پاک ہوتا تو بھی کسی کو حیرت نہ ہوتی۔ اگر امریکہ کی پیشانی پر کسی بھی عورت کی عصمت دری کا داغ نہ ہوتا اور کسی عفت مآب خاتون کے دامن پر ایسا کوئی دھبہ نہ ہوتا تو بھی اس دورے کا کوئی جواز موجود تھا۔ اگر امریکی معاشرے میں ماں' بہن اور بیٹی کی عصمت و آبرو کے لیے جانیں قربان کرنے کی روش عام ہوتی اور اُن کے ناموس پر آنچ آنے سے قیامت بپا ہو جاتی تو بھی یہ بات بھلی لگتی۔ اگر چادر اور چار دیواری کے احترام کے حوالے سے امریکی معاشرہ درخشندہ و تابندہ روایات کا امین ہوتا' وہاں کی خواتین حیاداری اور وہاں کے مرد نیکوکاری کے مجسمے ہوتے تو بھی بات قابل فہم تھی۔ لیکن ان میں سے تو ایک سرخاب کا پر بھی امریکی تاج کی زینت نہ تھا۔ پھر مختاراں مائی نے حقوق نسواں کے تحفظ کے لیے ایک ایسے ملک کی مدد کیوں چاہی جہاں عورت کی تقدیس سب سے کم مایہ جنس ہے اور جہاں خواتین کے تار تار دامانِ عصمت کا نوحہ پڑھنے والا بھی کوئی نہیں؟ اہلِ پاکستان حیران و ششدر ہیں کہ ان کی بہن' اُن کی بیٹی انہیں چھوڑ کر کس منصف کی بارگاہ عدل کی زنجیر انصاف ہلانے گئی تھی؟ عصمت نسواں کے کن محافظانِ فرشتہ خو کے حضور فریاد کرنے گئی تھی؟

جن دنوں مختاراں مائی امریکہ میں فقہ سامان این جی اوز کے پروں تلے بیٹھ کر اپنی سیکرٹری کے ہمراہ پاکستانی حکومت اور معاشرے کو صلواتیں سنا رہی تھی اور امریکہ کے ''پاک دامن'' رہنماؤں سے پاکستان میں حقوقِ نسواں کے تحفظ کی اپیلیں کر رہی تھی' عین ان دنوں امریکہ اور دنیا بھر کے اخبارات میں ایک چھوٹی سی خبر شائع ہوئی۔ اس خبر میں بتایا گیا کہ منیلا (فلپائن) کے شمال میں واقع ایک سابق امریکی بحری اڈے سے پانچ امریکی فوجیوں کو ایک مقامی خاتون کی اجتماعی آبروریزی کے الزام میں گرفتار کر لیا گیا ہے۔ تفصیلات کے مطابق فلپائن کے ساتھ مشترکہ فوجی مشقوں میں مصروف امریکی بحریہ کے پانچ اہلکار ایک ''بار'' سے 22 سالہ فلپینی لڑکی ''فلپینا'' کو اٹھا لے گئے اور اس کی آبروریزی کی۔ فلپائن کے وزیر خارجہ البرٹو روميلو نے اپنے عوام کو تسلی دیتے ہوئے کہا کہ اس گھناؤنے جرم کا ارتکاب کرنے والوں کو انصاف کے کٹہرے میں لایا جائے گا۔ اس وقت پانچواں امریکی' منیلا کے امریکی سفارتخانے میں زیر تفتیش ہیں۔

امریکی جہاں بھی گئے' ایسی داستانیں چھوڑ آئے۔ عراق میں سرگرم امریکی فوجی خود اپنے ہمراہ آنے والی 37 فوجی خواتین کی عصمت دری کر چکے ہیں۔ یہ وہ خواتین ہیں جنہوں نے رپورٹ درج کرانے کی جسارت کی۔ ان میں ابوغریب جیل میں عراقی قیدیوں کے گلے میں رسے ڈال کر گھسیٹنے اور تصویریں بنوانے والی لینڈی انگلینڈ شامل نہیں جو شادی کے بغیر ایک امریکی سارجنٹ کا بچہ آغوش میں لیے پھرتی ہے۔ اس جیسی نہ جانے اور کتنی ہیں جو حرف شکایت زبان پر نہیں لاتیں لیکن گوہر عصمت سے محروم ہو چکی ہیں۔

مختاراں مائی ایک ایسی سرزمین میں عورتوں کی عفت و عصمت کے تحفظ کا پرچم لہرانے گئیں جس کے چپے چپے پر عورت کی تقدیس و حرمت کے مدفن ہیں۔ امریکی محکمہ انصاف کی طرف سے جاری ہونے والے سرکاری اعداد و شمار کے مطابق 2002ء میں جنسی تشدد اور آبروریزی کا نشانہ بننے والی خواتین کی تعداد 247730 تھی۔ 2003ء میں عصمت دری' جنسی تشدد یا عصمت دری کی کوششوں کے 198850 مقدمات درج ہوئے۔ ان میں سے 81 فیصد سفید فام' 18 فیصد سیاہ فام اور ایک فیصد دیگر نسلوں سے تعلق رکھنے والی خواتین تھیں۔ اعداد و شمار میں کہا گیا ہے کہ ہر ڈھائی منٹ بعد امریکہ کے کسی نہ کسی گوشے میں ایک عورت جبری عصمت دری کا نشانہ بن جاتی ہے۔ یہ وہ اعداد و شمار ہیں جو رپورٹ ہوئے ہیں۔ کم و بیش 60 فیصد امریکی عورتیں مختاراں مائی جیسی روشن خیال نہیں اور وہ امریکہ کی ''ترقی یافتہ'' خواتین ہوتے ہوئے بھی اپنے دامن پر لگے داغ کی تشہیر سے شرماتی ہیں۔

سرکاری اعداد و شمار کے مطابق 2003ء میں جنسی تشدد کا نشانہ بننے والی 4065 خواتین حاملہ ہو گئیں۔ ہر سال جبری یا رضاکارانہ جنسی رابطوں کے باعث دس لاکھ عورتیں اپنے حمل ضائع کرا دیتی ہیں۔ اخلاق باختگی کا عالم یہ ہے کہ 80 فیصد خواتین اپنے خاندان کے افراد یا قریبی ملنے جلنے والوں کے ہاتھوں جنسی تشدد کا نشانہ بنتی ہیں۔ یہ وہ معاشرہ ہے جہاں طلاق کی شرح 50 فیصد ہے' جہاں 27 فیصد اپنی عورتوں کی کمائی کھاتے ہیں' جہاں عورت جنسِ لطیف کے بجائے ایک مشینی پرزہ بن چکی ہے' جہاں کسی بس' کسی ٹرین میں کوئی مرد کسی خاتون کے لیے سیٹ نہیں چھوڑتا' جہاں سرکاری ریکارڈ میں بچوں کی پہچان کے لیے باپ کے بجائے ماں کا نام درج کیا جاتا ہے۔

مختاراں مائی اپنی سیکرٹری نسیم اختر کے ہمراہ اس ''شہر عصمت و عفت'' میں وارد ہوئیں۔ امریکہ میں پاکستانی نژاد خاتون کے زیر اہتمام قائم این جی اوز ''انا'' (ANNA) نے اس کے لیے فضا ہموار کی۔ اُسے گلیمر میگزین کی طرف سے سال کی عظیم ترین خواتین میں سے ایک خاتون قرار دیا گیا۔ اس اعزاز کے ساتھ انہیں 20 ہزار

(باقی صفحہ 19 پر)

اہل پاکستان حیران ہیں کہ ان کی بہن' ان کی بیٹی انہیں چھوڑ کر کس منصف کی بارگاہِ عدل کی زنجیرِ انصاف ہلانے گئی تھی۔ اس نے ایسے ملک کی مدد کیوں چاہی' جہاں خواتین کے تار تار دامانِ عصمت کا نوحہ پڑھنے والا بھی کوئی نہیں

بسم اللہ بلز' فاران کلب اور نوبل پوائنٹ' کراچی اور ہارون آباد (ضلع بہاول نگر) میں ہونے والے دورۂ ترجمہ قرآن کے پروگراموں کے بارے میں شرکاء کے تاثرات پر مشتمل رپورٹ

بسم اللہ بلز

تنظیم اسلامی گلستان جوہر کراچی کے زیر اہتمام امسال اس مقام پر یہ دوسرا پروگرام منعقد ہو رہا ہے۔ گزشتہ سال اس پروگرام میں مترجم کا فریضہ مفتی طاہر عبداللہ صاحب نے انجام دیئے تھے۔ اس مرتبہ یہ فریضہ جوان العمر انجینئر افتخار عالم صاحب' سابق امیر تنظیم اسلامی لانڈھی انجام دے رہے ہیں۔ موصوف مدرسین کی اس نرسری سے تعلق رکھتے ہیں جس کو انجینئر نوید احمد صاحب بڑی محنت سے چلا رہے ہیں۔

محمد ممتاز ملک: میرا دورۂ ترجمہ قرآن میں شرکت کا یہ تیسرا موقع ہے۔ ایک تو قرآن کو سمجھنے کا بہت اچھا موقع ملتا ہے۔ زندگی کو صحیح راستے پر لانے کے لیے پروگرام بہت اچھا ہے۔ دنیوی زندگی کے مقابلے میں اخروی زندگی کی اہمیت احساس بڑھا ہے۔ ایمان میں اضافہ ہوا ہے۔ تنظیم میں عملاً شرکت کا ارادہ ہے۔ میرا تعمیراتی کاموں کے ٹھیکے کا کاروبار ہے۔ اب ارادہ ہے کہ اس کاروبار کو بتدریج ختم کر کے کوئی اور کاروبار شروع کروں۔ اللہ تعالیٰ پروگرام کے آرگنائزرز کو اجر عظیم عطا فرمائے۔ آمین

فاران کلب' گلشن اقبال

فاران کلب میں دورۂ قرآن کا آغاز 2003ء سے ہوا۔ پہلے سال انجینئر نوید احمد صاحب نے' دوسرے سال شجاع الدین شیخ صاحب نے ترجمہ قرآن کی سعادت حاصل کی۔ امسال یہ سعادت اعجاز لطیف صاحب کے حصہ میں آئی ہے جو تنظیم اسلامی' شاہ فیصل ملیر کے۔ اس سال کے پروگرام کی خاص بات یہ ہے کہ یہ پروگرام کیبل پر آن لائن جا رہا ہے اور اس کا نیٹ ورک کراچی کے ساٹھ فیصد علاقے پر محیط ہے۔ راقم نے اس پروگرام کے حوالے سے اعجاز لطیف صاحب اور احباب میں سے محمود طلائی صاحب کے تاثرات حاصل کیے جو درج ذیل ہیں:

محمود طائی: میری عمر 49 سال ہے۔ سول انجینئر ہوں اور میرا اپنا کاروبار طائی برادرس ایسوسی ایٹس کے نام سے ہے۔ گلشن اقبال کا رہائشی ہوں۔ یہ ایک بہت اچھا پروگرام ہے۔ 3 سال قبل پی آئی اے گارڈن میں اعجاز لطیف صاحب ہی کے پروگرام میں شرکت کی تھی۔ پہلی دفعہ احساس ہوا کہ قرآن کا مفہوم نہ سمجھ کر کتنا بڑا نقصان ہوا۔ قرآن محض تعظیم کے لیے نازل نہیں ہوا۔ یہ انسان سے کلام کرتا ہے۔ نوجوانوں کو اس پروگرام میں ضرور شرکت کرنی چاہیے۔ میں بھی ہر سال شرکت کرتا ہوں۔ ہر مرتبہ نئی باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ یکسالہ قرآن فہمی کورس میں بھی شرکت کی ہے۔ قرآنی دعوت کے نتیجے میں دین سے قربت بڑھی ہے۔ اسلام کو نام سے جانتا تھا اب پتہ چلا کہ اسے عملی زندگی میں کس طرح اپنایا جاتا ہے۔ الحمدللہ داڑھی بھی رکھ لی ہے۔ نماز میں بھی باقاعدگی آ گئی ہے۔ دعوت کا کام بھی ہو رہا ہے۔ احباب کو بے ایمانوں سے دور رکھنے میں بھی الحمدللہ کامیابی حاصل ہوئی ہے۔ اپنے پیشہ میں بھی ایمانداری کو اپنایا ہے۔ لوگوں میں اس سے اچھا تاثر پیدا ہوا ہے۔ اجتماعی جدوجہد میں عملی شرکت بھی زیر غور ہے۔

نوبل پوائنٹ

تنظیم اسلامی شمالی' کراچی کے زیر اہتمام نارتھ ناظم آباد میں واقع شادی ہال مین دورۂ ترجمہ قرآن کے پروگرام 2000ء سے منعقد ہو رہے ہیں۔ پہلے پروگرام میں مترجم کے فرائض انجینئر نوید احمد صاحب نے انجام دیئے تھے۔ 2001ء میں شمالی وسطی تنظیموں نے مشترکہ طور پر یہ پروگرام یاسین آباد میں منعقد کیا تھا۔ اس کے بعد نوبل پوائنٹ میں یہ پروگرام تسلسل کے ساتھ جاری ہے۔ 2002ء میں فریس احمد مسعود صاحب' 2003ء میں اعجاز لطیف صاحب' 2004ء میں فریس احمد مسعود صاحب نے مترجم کے فرائض انجام دیئے تھے۔ اس سال مترجم کے فرائض عامر خان صاحب انجام دے رہے ہیں۔

راحیل حسین: میں نے محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے 1998ء میں ہونے والے دورۂ ترجمہ قرآن میں شرکت کی تھی۔ گزشتہ پانچ سال سے باقاعدگی کیساتھ اس پروگرام کے ساتھ اس پروگرام میں شرکت کر رہا ہوں۔ والدہ محترمہ کو بھی ساتھ لاتا ہوں۔ اب تک قرآن کی بغیر سمجھے تلاوت کرتا رہا لیکن ان محافل میں شرکت کے بعد قرآنی تعلیمات کو سیکھنے کا موقع ملا۔ دعوت قرآنی کے نتیجے میں الحمدللہ عقائد کے اعتبار سے واضح فرق ہوا ہے۔ دوستوں کو اس پروگرام میں شرکت کی دعوت دیتا ہوں۔ کچھ اس دعوت کو قبول بھی کر لیتے ہیں۔ عملی شرکت کے لیے میں فی الحال اپنے آپ کو اس معیار پر نہیں پاتا۔

رضوان احمد: دل کا زنگ اتارنے کے لیے اس پروگرام میں شرکت ہوں۔ ڈاکٹر صاحب سے بیعت کی تھی لیکن کاروباری مصروفیات کی بناء پر تنظیم کے لیے وقت نہیں نکال پاتا' لہٰذا حافظ عاکف سعید صاحب کے ساتھ اب تک بیعت نہیں کی ہے۔

سید یوسف ظفر: گزشتہ سات سال سے اس پروگرام میں شرکت کر رہا ہوں۔ کچھ سیکھنا چاہتا ہوں۔ تین مرتبہ عربی گرامر کورس میں شرکت کی' لیکن بدقسمتی سے اپنی کاروباری مصروفیات کی بناء پر مکمل نہ کر سکا۔ ترجمہ سے بات آسانی سے سمجھ میں آ جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی بندگی اختیار کرنے کی شعوری کوشش جاری ہے۔ جمعیت طلبہ سے تعلق رہا ہے۔

ہارون آباد' بہاول نگر

چھ سال قبل ہارون آباد میں تنظیم اسلامی کا مرکز اور مسجد جامع القرآن تعمیر ہوئی۔ تب سے یہاں ہر سال پورا دورۂ ترجمہ قرآن ہوتا ہے۔ اس سال یہ سعادت جناب محمد منیر احمد امیر حلقہ کے حصہ میں آئی۔ رات بارہ بجے تک یہ پروگرام جاری رہتا۔ عموماً چالیس مرد اور پچیس خواتین اس پروگرام میں شرکت کرتے رہے۔ البتہ پونے سپارے اور 12 تراویح کے بعد یہ تعداد کم ہو جاتی تھی۔ شرکاء کے تاثرات ملاحظہ ہوں۔

صفدر جمیل: ہر سال کی طرح امسال بھی دورہ ترجمۃ القرآن بہت اچھا رہا' اسے جاری رہنا چاہئے۔ اللہ ان تمام دوستوں کو ان کے کام کی جزا دے! لیکن سوچ رہا ہوں کہ جو قرآنی پیغام ہم پر واضح ہو گیا۔ رمضان کے بعد اس پر عمل کرنے کے لیے ہمیں خدا سے دُعا گو ہونا چاہئے۔ پچھلے برسوں میں رحمت اللہ بٹر اور اب منیر صاحب نے تو اپنا کام کر دیا' اب آئندہ گیارہ ماہ میں ہماری باری ہے کہ ہم نے کیا کرنا ہے..... اگر یہ باتیں اچھی ہیں تو خدارا ان کو اپنی زندگی کا حصہ بنائیں بصورت دیگر ایسا نہ ہو کہ قرآن مجید روز قیامت ہماری مخالفت میں گواہ بن جائے۔

چوہدری وحید: اگرچہ اس پروگرام کی بہت زیادہ طوالت ہوتی تھی مگر پھر بھی ایک لمحے کے لیے بھی تھکاوٹ تک محسوس نہ ہوتی۔ اس سے صحیح طور پر قرآن مجید کو سمجھنے کا موقع ملا۔ جس طرح منیر صاحب نے بیان کیا تو واقعتاً دل میں اترتا گیا۔ اللہ تعالیٰ ان کو کاوش کا اجر دے اور مجھے عمل کرنے کی توفیق دے۔ سننے کی حد تک میرا چوتھا دورہ ترجمہ قرآن ہے! انتہائی صحیح کاوش ہے اللہ منیر صاحب کو اجر دے! اور ہم سب کو اس پر عمل کرنے کی ہدایت دے۔

مسز نسیم عبدالرؤف: نماز اور تراویح کے بعد گھر جاتے ہوئے احساس ہوتا ہے کہ جیسے میں حج کر کے واپس جا رہی ہوں۔ بہت اچھا لگتا ہے یہاں آنا' قرآن پاک کا ترجمہ سننا' سمجھنا اور عمل کی کوشش۔ سب کچھ اچھا لگتا ہے۔ لیکن تھوڑی سی تشنگی باقی رہتی ہے کچھ چیزوں کی وضاحت نہیں ہو پاتی' جیسے کنویں والے اصحاب راس' مدین وغیرہ۔ بہرحال پروگرام بہت اچھا ہے۔ اللہ تعالیٰ یہ سلسلہ جاری رکھے۔

(باقی صفحہ 14 پر)

☆ کیا اسلامی نظام قائم نہ ہونے کی صورت میں زکوٰۃ دینا ضروری ہے؟ ☆ سیاست سے الگ رہتے ہوئے اسلامی نظام کیسے قائم ہوسکتا ہے؟
☆ اسلام جیسے عادلانہ نظام میں غلاموں اور لونڈیوں کے تصور کی حقیقت کیا ہے؟

قارئین ندائے خلافت کے سوالات کے قرآن و سنت کی روشنی میں جوابات

سوال: زکوٰۃ اور ٹیکس کے حوالے سے بتائیں کہ جب اسلامی نظام قائم نہ ہو اور ظالمانہ ٹیکس لگے ہوں تب بھی زکوٰۃ دینا ضروری ہے؟ (امتیاز الحق)

جواب: اگر یہاں پر ظالمانہ ٹیکس لگے ہوئے ہیں تو یہ ہماری ذمہ داری ہے کہ غلط نظام کو بدلیں' میدان میں آئیں۔ لیکن اس کے حوالے سے ہم زکوٰۃ کی نفی نہیں کرسکتے۔ جیسے نماز کو مؤخر نہیں کرسکتے کہ اللہ کا دین قائم ہوگا تو نماز پڑھیں گے۔ نماز تو آج بھی فرض ہے۔ اسی طرح زکوٰۃ فرض ہے وہ تو ہر صورت دینی ہے۔ البتہ اسلامی ریاست میں زکوٰۃ صحیح معنیٰ میں نافذ ہو تو بہت سے ٹیکس ختم ہو جائیں گے۔ بالکل ختم نہیں ہوں گے۔ مثلاً میونسپل ٹیکس ہے' ایک شہر کے اندر سڑکیں بھی بنی ہیں' اس میں کچھ لائٹ کا انتظام ہونا ہے۔ اس میں سیوریج کا انتظام ہونا ہے۔ یہ انتظامی چیزیں جائز ہیں۔ ان میں کوئی خرابی نہیں ہے۔ خلافت راشدہ میں بھی دوسرے ٹیکس تھے۔ امپورٹ ایکسپورٹ کا ٹیکس تھا' مثلاً ایک شہر کے اندر باہر سے لوگ آرہے ہیں تاکہ وہاں کی منڈی میں اپنا مال بیچ کر جائیں تو وہ اس شہر کا حق ادا کریں جہاں پر کوئی منڈی ہے۔ کیونکہ وہ اس کی دیکھ بھال کررہے ہیں' اس کا انتظام کررہے ہیں۔ لہٰذا باہر سے آنے والے اس کا ٹیکس دیں۔ البتہ اگر اسلامی نظام قائم ہو اور زکوٰۃ کا نظام پوری روح کے ساتھ نافذ ہو تو شاید کسی اور ٹیکس کی ضرورت ہی نہ رہے۔

سوال: تنظیم اسلامی کا موقف ہے کہ سیاست سے الگ رہا جائے' پھر کیسے ممکن ہے کہ انتخابی سسٹم میں شریک ہوئے بغیر اسلامی نظام قائم ہوجائے۔ شاہ ایران بھاگا تو بعد میں انتظام سنبھالنے کے لیے امام خمینی موجود تھے۔ اگر وہ سیاست سے الگ رہتے تو نظام کون سنبھالتا۔ اقبال کا بھی کہنا ہے ع ''جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی'' وضاحت فرمائیں؟ (باسط علی)

جواب: سیاست ہمارے دین کا جزو لاینفک ہے۔ سیاست اتنی عظیم شے ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام سیاست کرتے تھے۔ بنی اسرائیل کی سیاست انبیاءؑ کے ہاتھ میں ہوتی تھی۔ لہٰذا جو کام انبیاءؑ کرتے تھے وہ گھٹیا نہیں ہوسکتا۔ البتہ سیاست کو دو حصوں میں تقسیم کیجیے۔ ایک نظری سیاست ہے' دوسری عملی سیاست! نظری سیاست یہ ہے کہ ملک میں کیا ہو رہا ہے' غلط ہو رہا ہے' صحیح ہو رہا ہے' کیا ہونا چاہیے' صحیح راستہ کون سا ہے؟ اس اعتبار سے سب سے بڑا اور سب سے مؤثر سیاستدان ہمارے ہاں کا صحافی ہے' جو رائے عامہ بناتا ہے۔ یہ کالم نگار ہیں' جو لوگوں کی سوچ ایک رخ پر ڈالتے ہیں۔ حالانکہ وہ خود سیاست دان نہیں ہیں۔ وہ الیکشن میں کبھی نہیں آتے' لیکن لوگوں کا رستہ معین کرتے ہیں کہ کدھر جانا ہے۔ امریکہ کے اندر یہودیوں کی اقلیت ہے' لیکن وہ پورے ملک کے اوپر قابض ہیں۔ اس لیے کہ ذرائع ابلاغ ان کے قبضے میں ہیں۔ لوگوں کا ذہن جدھر چاہیں ادھر موڑ دیں۔ یہ نظری سیاست ہے۔ تنظیم اسلامی نظری سیاست کی حد تک سیاست میں حصہ لیتی ہے۔

عملی سیاست کے بھی دو حصے ہیں۔ ایک انتخابی سیاست ہے' اور دوسرا انقلابی سیاست۔ انتخابی سیاست یہ ہوتی ہے کہ جو نظام قائم ہے وہ صحیح ہے یا غلط' اس بحث سے قطع ہر جماعت خود کو پیش کرتی ہے کہ ہم اس سسٹم کو بہتر طریقے پر چلائیں گے۔ جیسے امریکہ کے اندر دو بڑی بڑی جماعتیں ہیں۔ ری پبلکن اور ڈیموکریٹس۔ وہ امریکن سسٹم کو غلط نہیں کہتیں۔ سسٹم دونوں کے نزدیک متفق علیہ ہے۔ کوئی جزوی سی بات ہوگی' خارجہ پالیسی کا کوئی معاملہ ہوگا جہاں جزوی اختلاف ہوگا۔ ورنہ نظام پر دونوں متفق ہیں۔ ان دونوں میں ووٹنگ سے فیصلہ ہو جاتا ہے کہ حکومت کون چلائے گا۔ لیکن جس شخص کے نزدیک پورا نظام ہی غلط ہے اس کو پہلے نظام بدلنا ہے۔ وہ الیکشن کے ذریعے سے کبھی نہیں بدلتا۔ پوری دنیا کی تاریخ میں اس کی کوئی ایک مثال بھی نہیں ہے۔ دنیا میں ایک نظام بدلا تھا انقلاب فرانس کے ذریعے جب بادشاہت ختم ہو کر جمہوریت آئی۔ اسی طرح سرمایہ دارانہ نظام کی جگہ کمیونزم آیا تو انقلاب سے آیا تھا۔ خمینی صاحب نے بھی غیر مسلح بغاوت کے ذریعے سے انقلاب برپا کیا تھا۔ کبھی خمینی صاحب ایران میں انتخابات کے ذریعے برسر اقتدار نہیں آسکتے تھے۔ یہی انقلابی سیاست ہے۔ تنظیم اسلامی انقلابی سیاست کی قائل ہے۔

سوال: اپنے لیے یا مرنے والے کے لیے ہم کسی بزرگ یا عالم دین کو دعا کا کہتے ہیں۔ اگر میں خود دعا کروں تو وہ زیادہ سودمند ہوگی یا جو کسی بزرگ یا عالم دین سے کروائی جائے اس کی اہمیت ہوگی؟ (طارق محمود)

جواب: دونوں اپنی اپنی جگہ پر ہیں۔ جو دعا آپ کے دل سے نکلے گی' کسی دوسرے شخص کے دل سے اس طرح سے وہ دعا نہیں نکل سکتی' اس لیے کہ جو تا جس کو کاٹتا ہے تکلیف تو اسی کو ہوتی ہے۔ جو شخص مضطر ہے وہ جس انداز میں زاری کے ساتھ اللہ کو پکارے گا دوسرا شخص اس طرح نہیں کرے گا۔ دوسرا شخص بہرحال اس کی بات مانتے ہوئے دعا کر دے گا۔ لیکن یاد رکھیے اگر کوئی حرام خوری کرتا ہے' غلط کام کرتا ہے' اللہ کے احکام توڑتا ہے تو پھر کسی اور کی دعا سے بھی اُسے کوئی فائدہ نہیں ہوسکتا۔ بہرحال کسی بزرگ سے دعا کروانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ صحابہ کرامؓ بھی نبی اکرم ﷺ سے دعا کرواتے تھے۔

سوال: اسلام انسانوں کی برابری اور بھائی بھائی ہونے کی تعلیم دیتا ہے پھر یہ غلام اور لونڈیوں کا تصور کیا ہے؟ (نوید احمد)

جواب: انسان ہونے کے ناطے تمام انسان برابر ہیں۔ لیکن ایک شخص افسر ہے اور دوسرا اس کے ماتحت ہے' کیا یہ برابر ہیں؟ یہ انتظامی چیزیں ہیں۔ ایک انسان کے ہونے کے ناطے چپڑاسی اور افسر برابر ہیں۔ انسان ہونے کے ناطے مرد اور عورت بالکل برابر ہیں۔ لیکن عورت کو اپنے گھر کے اندر اپنے شوہر کا حکم ماننا ہے (اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَی النِّسَاءِ) یہ انتظامی معاملہ ہے۔ اسی طرح کا انتظامی معاملہ اس وقت یہ تھا کہ جہاد میں جو جنگی قیدی آتے تھے' انہیں مسلمانوں میں تقسیم کر دیا جاتا تھا' بجائے اس کے انہیں کیمپوں میں رکھا جائے جہاں بالکل غیر فطری زندگی ہوتی ہے۔ کفر کی قوت ٹوٹ چکی ہو تو کوئی حرج نہیں ہے کہ غلاموں POW کو چھوڑ دیا جائے' یا تبادلہ کرلیا جائے لیکن اگر ایسی کوئی صورت نہیں ہے تو پھر انہیں مسلمانوں میں تقسیم کردیتے تھے۔ لیکن ان کے حوالے سے تعلیم تھی کہ جو خود کھائیں وہ انہیں کھلائیں' جو خود پہنیں وہ انہیں پہنائیں۔ کوئی مشقت کا کام ان سے لیں تو خود بھی ان کے ساتھ شریک ہوں۔ انسان ہونے کے ناطے سے ان کے حقوق بھی اسلام نے معین کیے تھے۔ اگرچہ یہ انتظامی معاملہ تھا کہ بجائے اس کے کہ کیمپس میں انہیں ڈالا جائے انہیں معاشرے میں تقسیم کردیا جائے تاکہ مسلمانوں سے متاثر ہو کر ان کی اکثریت ایمان لے آئے۔ اگر وہ مسلمان ہوگئے تو پھر وہ دینی بھائی ہیں۔ عالم اسلام میں غلاموں کی عظیم حکومتیں قائم ہوئی ہیں۔ یہ ہے اسلام کی تعلیم کہ غلاموں کو انسان ہونے کے ناطے برابری کا درجہ دیا۔ یہ بات بھی سمجھ لی جائے کہ غلاموں کا تصور اسلام نے نہیں دیا بلکہ یہ اس معاشرے میں پہلے سے رائج تھا' جسے اسلام نے جنگی قیدیوں تک محدود کردیا۔

کالم ''تفہیم المسائل'' میں سوالات بذریعہ ڈاک یا ای میل ایڈریس meidia@tanzeem.org پر بھیجے جاسکتے ہیں۔

شہریوں پر کیمائی حملہ

اٹلی کے قومی ٹیلی ویژن نے ایک ایسی دستاویزی فلم دکھائی ہے جس میں عراقی شہر فلوجہ پر حملے کے دوران امریکی فوجیوں کو شہریوں پر کیمیائی حملے کرتے دکھایا گیا ہے۔ فلوجہ پر حملہ کرتے ہوئے امریکا نے سفید فاسفورس نامی کیمیائی ہتھیار استعمال کیا۔ امریکی فوج کا دعویٰ ہے کہ یہ کوئی کیمیائی ہتھیار نہیں بلکہ اس کے ذریعے رات کے وقت روشنی پیدا کی جاتی ہے تاکہ دشمن کے مورچے نظر آسکیں۔ امریکا نے اس امر سے انکار کیا ہے کہ امریکی فوج عراق میں کیمیائی ہتھیار استعمال کر رہی ہے تاہم دستاویزی فلم اور انسانی حقوق کی تنظیموں کے الزامات معمولی نہیں۔ اقوام متحدہ کو چاہیے کہ وہ تحقیق کرنے کے لیے ایک بااختیار کمیٹی قائم کرے اور جرم ثابت ہونے پر ''ملزم'' کو قرار واقعی سزا دے۔ امریکا نے عراق اور افغانستان میں جنگ کے دوران جس طرح بین الاقوامی معاہدوں کی دھجیاں اڑائی ہیں' اسے دیکھتے ہوئے یہ یقین ہو جاتا ہے کہ امریکی فوج کیمیائی ہتھیار استعمال کر رہی ہے۔

افغانستان کے پارلیمانی انتخابات

افغان حکومت نے اطلاع دی ہے کہ کچھ عرصہ قبل ہونے والے افغان پارلیمانی انتخابات کے نتائج بالآخر فائنل کر لیے گئے ہیں۔ افغانستان کی حزب اختلاف خصوصاً طالبان نے الزام لگایا ہے کہ پارلیمانی انتخابات میں وسیع پیمانے پر دھاندلی ہوئی ہے اور حکومت نے منظور نظر امیدواروں کو کامیاب کروایا ہے۔ بہرحال یہ انتخابات افغان تاریخ میں سنگ میل کی حیثیت رکھتے ہیں امید ہے کہ ان کے ذریعے جنگ سے تباہ حال ہمارے اس پڑوسی ملک میں امن وامان قائم ہونے میں مدد ملے گی۔

اردن میں بم دھماکے

پچھلے ہفتے اردن کے دارالحکومت عمان میں یکے بعد دیگرے ہونے والے بم دھماکوں سے 54 افراد ہلاک ہو گئے۔ ان میں خودکش حملہ آور بھی شامل ہیں۔ یہ بم دھماکے ان تین ہوٹلوں میں ہوئے جہاں وہ غیر ملکی ٹھہرتے تھے جو عراق میں مصروف کار تھے۔

صدر بش بددیانت ہیں

امریکا کی ایک خبر رساں ایجنسی' اے پی آئی نے حال ہی میں یہ دیکھنے کے لیے ایک سروے کروایا کہ صدر بش امریکیوں میں کتنے مقبول ہیں۔ اس پر حیرت انگیز انکشافات سامنے آئے۔ سروے کے مطابق 57 فیصد امریکیوں کی رائے میں بش بددیانت ہیں۔ 82 فیصد کے نزدیک وہ ہٹ دھرم اور ضدی ہیں۔ امریکی عوام کی اکثریت بش انتظامیہ کی کارکردگی سے مطمئن نہیں اور اُسے دھوکہ باز سمجھتی ہے۔ امریکیوں کے مطابق بش حکومت نے عراق پر حملے کے لیے جو جواز تیار کیے' وہ غلط ثابت ہو چکے ہیں۔

بیت المقدس ہمارا دارالحکومت ہے

پچھلے جمعہ فلسطین کے مرحوم صدر' یاسر عرفات کی پہلی برسی عقیدت واحترام کے ساتھ منائی گئی۔ اس موقع پر غزہ میں ایک بہت بڑا جلوس نکلا جس میں حماس سمیت فلسطینیوں کی تمام بڑی سیاسی جماعتوں کے رہنماؤں نے شرکت کی۔ جلوس کے شرکاء سے خطاب کرتے ہوئے فلسطینی صدر' محمود عباس نے اعلان کیا کہ بیت المقدس کو فلسطین کا دارالحکومت بنانے کی جدوجہد جاری رکھی جائے گی۔ انہوں نے یہ عہد بھی کیا کہ القدس شریف میں یاسر عرفات کا مقبرہ بنایا جائے گا۔

برطانوی مسلمانوں میں بے چینی کیوں؟

7/7 کے خودکش حملوں کے بعد برطانوی حکومت نے یہ جاننے کے لیے سات ٹاسک فورسز قائم کی تھیں کہ برطانوی مسلمان میں ''انتہا پسندی'' کہاں سے آئی۔ اب ان ٹاسک فورسوں نے اپنی رپورٹ پیش کر دی ہے جس کے مطابق برطانیہ کی خارجہ پالیسی اس کا اہم ترین سبب ہے جو ناانصافیوں سے بھری پڑی ہے۔ مثال کے طور پر مسلمان عراق پر فوجی حملے کے خلاف تھے اور حملہ کر کے ان کے جذبات کو ٹھیس پہنچائی گئی۔ رپورٹ میں ایسی کئی سفارشات دی گئی ہیں جن کے ذریعے برطانوی حکومت مسلمانوں کا اعتماد حاصل کر سکتی ہے مثلاً برٹش اسلامی ویب سائٹ کا قیام وغیرہ۔

ایران پر پابندیوں میں توسیع

امریکا کے صدر بش نے ایران پر عائد مالی پابندیوں کو مزید ایک سال کے لیے بڑھا دیا ہے۔ یہ پابندیاں 1979ء میں اس وقت امریکیوں نے لاگو کی تھیں جب ایران میں اسلامی انقلاب آیا تھا۔ صدر بش نے ایوان نمائندگان کو ایک خط لکھ کر بتایا ہے کہ چونکہ ابھی ایران کے ساتھ امریکا کے تعلقات خوشگوار نہیں ہوئے' اس لیے پابندیوں میں توسیع کی جا رہی ہے۔

سارک کے لیے افغانی درخواست

افغانستان نے جنوبی اشیا کے ممالک کی تنظیم' سارک میں شمولیت کے لیے درخواست بھجوا دی ہے۔ خوش آئند بات یہ ہے کہ خطے کی دونوں بڑی طاقتوں' بھارت اور پاکستان نے کہا ہے کہ وہ سارک میں افغانستان کو لینے کے لیے تیار ہیں۔ اُمید ہے کہ افغانستان جلد ہی اس علاقائی تنظیم کا رکن بن جائے گا اور اور خطے کی ترقی میں اپنا بھرپور کردار ادا کرے گا۔

مصر میں پارلیمانی انتخابات

9 نومبر کو مصر میں پارلیمانی انتخابات کا پہلا مرحلہ کامیابی سے طے پا گیا۔ پہلے مرحلے میں پانچ ہزار سے زائد امیدوار سیاسی مقابلے میں حصہ لے رہے ہیں۔ ماہرین کا کہنا ہے کہ صدر حسنی مبارک کی جماعت' نیشنل ڈیموکریٹک پارٹی دوبارہ بھاری اکثریت سے کامیاب ہو کر انتخابات جیت لے گی۔ پارلیمانی انتخابات کا آخری مرحلہ دسمبر میں انجام پائے گا۔ ادھر اخوان المسلمین نے الزام لگایا ہے کہ ہر جگہ فراڈ ہوا ہے' یہ انتخابات شفاف ہیں نہ آزادانہ۔

اسرائیل کے پاس 300 ایٹم بم

اسرائیلی ایٹمی پلانٹ میں کام کرنے والے سابق ٹیکنیشن' وانونو نے انکشاف کیا ہے کہ اسرائیل کے پاس 300 ایٹم بم موجود ہیں۔

وانونو کا کہنا ہے کہ اسرائیل دنیا کی کسی بھی شہر میں ایٹم بم گرا سکتا ہے۔ آج وہ اس لیے ایٹمی طاقت ہے کیونکہ اُسے امریکا' برطانیہ اور دوسری یورپی طاقتوں کی آشیر باد حاصل ہے۔ انہی کی شہ پر وہ بین الاقوامی قوانین کی خلاف ورزی کرتا ہے اور اُسے کوئی کچھ نہیں کہہ سکتا۔ گھر کی بھیدی کی طرف سے یہ انکشاف ان اسلامی ممالک کے سربراہوں کی آنکھیں کھول دینے کے لیے کافی ہے جو اسرائیلی حکومت سے دوستی کی پینگیں بڑھا رہے ہیں۔ اسرائیل نصف صدی سے ایٹمی طاقت بنا بیٹھا ہے یعنی آج تک اس نے بین الاقوامی معائنہ کاروں کے لیے اپنے ایٹمی پلانٹ کے دروازے نہیں کھولے۔ دوسری طرف ایران کا ایٹمی منصوبہ پرامن مقاصد کے لیے ہے لیکن اس پر ہر طریقے سے دباؤ ڈالا جا رہا ہے کہ وہ اپنا منصوبہ ختم کر دے۔

بقیہ: کالم آف دی ویک

ڈالر بھی ملے۔ سابق امریکی وزیر خارجہ میڈیلین البرائٹ اور ہیلری کلنٹن بھی یہ اعزاز حاصل کر چکی ہیں۔ اس موقع پر مائی کے بارے میں ایک خصوصی دستاویزی فلم دکھائی گئی۔ صدر بش کی اہلیہ خاتون اول لارا بش نے مائی کی توصیف میں ایک پیغام جاری کیا۔ سابق صدر کلنٹن نے مختاراں مائی کی فردِ اعزاز پڑھی۔ معروف اداکارہ بروک شیلڈ نے اعزاز وصول کرنے کے لیے مائی کا نام پکارا تو نیویارک کے لنکن ہال میں جمع معززین اور ہالی وڈ کے اداکار سروقد کھڑے ہو گئے۔ دیر تک ہال تالیوں سے گونجتا رہا۔ مائی کو کانگرس کے ارکان اور اقوام متحدہ کے عہدیداروں سے ملوایا گیا۔ سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ میں نائب وزیر خارجہ کرسٹینا روکا نے مختاراں مائی سے ملاقات کا اعزاز حاصل کیا۔ مائی جہاں بھی گئی' پاکستان میں خواتین کی مظلومیت کا نوحہ پڑھتی اور امریکیوں سے مدد کی درخواست کرتی رہی۔ 23 اکتوبر سے 5 نومبر تک' دو ہفتوں کے دوران وہ پاکستانی تہذیب و معاشرے کے خلاف اشتہار بنی رہی۔ پاکستان اور اسلام سے بغض رکھنے والا میڈیا اُسے مریخ سے آئی کسی مخلوق کی طرح اچھالتا اور پاکستانی معاشرے کی وحشت و بربریت کی کہانیاں تراشتا رہا۔

پاکستان میں خواتین کی عزت و حرمت کے تحفظ کے لیے ایک پُرعزم تحریک اٹھانے اور نظام قانون و انصاف کو پوری توانائی کے ساتھ متحرک کرنے کی ضرورت سے کسی کو انکار نہیں۔ لیکن مختاراں مائی جس کا دعویٰ ابھی عدالتی چھان پھٹک کے مراحل میں ہے' امریکہ کیا کرنے گئی تھی؟ وہ کن ہاتھوں کا کھلونا بن گئی ہے' اسے اتنا تو علم ہونا چاہیے تھا کہ جس بستی سے وہ خواتین کی تقدیس و آبرو اور عصمت و عفت کے تحفظ کے لیے مدد لینے گئی تھیں وہاں کے بے ننگ و نام کوچہ و بازار میں ہزاروں' لاکھوں مختار مائیاں خس و خاشاک کی طرح رُل رہی ہیں اور جہاں ہر اڑھائی منٹ بعد ایک نئی مختاراں مائی جنم لیتی ہے۔

بقیہ: اداریہ

جن مضبوط بنیادوں پر کی اور جس اسلوب سے کی وہ بے مثل ہے۔ لیکن ہماری مجبوری یہ ہے کہ دین حق کو کسی قیمت پر ٹیڑھ قبول نہیں ہے۔ اللہ رب العزت اس معاملے میں کسی بڑے سے بڑے انسان کے خونی رشتے یا حسب و نسب کی پرواہ نہیں کرتا بلکہ زیادہ سختی سے احتساب کرتا ہے۔ ابوالانبیاءؑ کا باپ بھی اگر بت تراش اور بت فروش ہے تو اس کے لیے بھی جہنم کی وعید ہے' اور خاتم الانبیاء ﷺ کے حقیقی چچا کے ہاتھ ٹوٹنے کا ذکر قرآن پاک میں اس انداز میں ہے کہ وہ بددعا بھی ہے اور پیشین گوئی بھی' پھر ہمہ شما کس باغ کی مولی ہیں۔

اگرچہ پاکستان کا مطلب کیا لا الٰہ الا اللہ یقیناً علامہ اقبال اور قائد کا نعرہ نہیں تھا لیکن قائد نے کبھی اس نعرہ کی نفی نہیں کی تھی۔ مسلم لیگ نے اس نعرہ کو own کیا تھا' اور علامہ تو ہندوستان کے شمال مغرب میں اسلامی ریاست کا خواب ہی اس لیے دیکھ رہے تھے تاکہ دورِ ملوکیت میں اسلام کے حسین اور شفاف چہرے پر پڑنے والے داغ مٹائے جا سکیں۔ بہرحال ہم خالصتاً جذبہ خیر خواہی سے پسرِ اقبال کی خدمت میں عرض کرتے ہیں کہ وہ اپنے ان فاسد خیالات سے فوری طور پر رجوع کریں تاکہ اقبال کی روح کو چین نصیب ہو۔ خانوادہ اقبال کا کوئی فرد اگر شراب سے چاندی بنانے کی تجویز دیتا ہے تو یہ ''چوں کفر از کعبہ برخیزد'' کے مصداق ہے۔ oo

فلک سیر (ٹورسٹ)

ریزورٹ ساگر ریسٹورنٹ

ملم جبہ' سوات

9,600 فٹ بلندی پر واقع وادی سوات کے نہایت دلفریب اور پرفضا مقام **ملم جبہ** میں قیام و طعام کی بہترین سہولتوں سے آراستہ

جدید تعمیر شدہ شاندار ہوٹل

مینگورہ سے چالیس کلومیٹر کے فاصلے پر اور سیاحت کار پوریشن پاکستان کی چیئر لفٹ سے چار کلومیٹر پہلے کھلے' روشن اور ہوادار کمرے' نئے قالین' عمدہ فرنیچر' صاف ستھرے ملحقہ غسل خانے' اچھے انتظامات اور اسلامی ماحول

رب کائنات کی خلاقی و صناعی کے پاکیزہ و دلفریب مظاہر سے قلب و روح کو شاد کام کرنے کا بہترین موقع

تحریکی بھائیوں کے لئے خصوصی رعایت

فلک سیر کارپوریشن'

جی ٹی روڈ' امانت کوٹ' مینگورہ سوات

فون دفتر: 0946-725056' ہوٹل: 0946-835295' فیکس: 0946-720031

Vol: 14 Regd. No. LRL -50 No.42

Weekly Nida-e-Khilafat Lahore

ارمغانِ عقیدت بہ رُوحِ حکیم الامت اقبالؒ

پیش کردہ: عاشقِ اقبال' علاؤالدین احمد شمس مرحوم' سابق استاد اسلامیات وعلوم شرقیہ صادق پبلک سکول' بہاولپور

رہبرِ ملت فرید دہر یکتا شاعرِ جادو بیاں
نکتہ سنج و رازداں اے مفخرِ اسلامیاں

نغمہ ات چوں نفخۂ روح الامیں جان آفریں
از پیامِ جانفزایت در عجب روحِ الامیں

بود اندر خوابِ غفلت ملتِ اسلام ہند
بیخود از خود بود گویا مسلم گمنام ہند

ملتِ بیضا ز سعیت رونقِ دیگر گرفت
مسلم از پیغامِ نغزت زندگی از سرگرفت

از نوایت تازہ شد در قلب احساسِ خودی
کاروانِ قوم را شعرِ تو آوازِ ہُدی

رہ نوردِ شوق از نو ساختی ایں قوم را
از دلِ ایشاں بدر کر دی خیالِ نوم را

مشرق از اشراقِ شعرت گشتہ اکنوں مشرقین
عارفانِ دہر را ہستی تو یکتا نورِ عین

از پیامِ مشرقِ تو روحِ مغرب گشتہ شاد
بالِ جبریلِ تو از جبریل حاصل کردہ داد

فیلسوفِ عصر یکتا شاعرِ معجز بیاں
عارفِ کامل عیار و واقفِ سرِ نہاں

بود پاکستان در دُرجِ دلت مثلِ گہر
قائدِ اعظم زسعیش کرد او را جلوہ گر

دوشِ مسلم گشتہ زیرِ بارِ احسانِ تو خم
ماہمہ مہ ہستیم ممنونِ تو اے فخرِ عجم

شعرِ تو آئینہ دارِ حکمتِ دینِ مبیں
ہست معشوقِ توآں محبوبِ ربّ العالمیں

رومیٔ ایں عصر اے دانائے اسرارِ حیات
آشکارہ کردہ ای رازِ درونِ کائنات

شعرِ اقبال است درسِ آدمیت در جہاں
ہم بود پیغامِ امن و عافیت در ایں زماں

اندریں دورِ پُر از آشوب و عصرِ پُر ز شر
شعرِ اقبال است الحق داروئے دردِ بشر

اے وحیدِ دہر اے اقبال روحت شاد باد
خانۂ نامت بہ عالم تا ابد آباد باد

از کلامت اے مہیں تر شاعرِ شیریں مقال
گشتہ قلبِ شمس روشن وز حِکَم شُد مال مال

1۔ اے ملت اسلامیہ کے رہبر، اے جادو بیاں زمانے میں یکتا شاعر اور اے نکتہ شناسی، اور اے روز دانِ کائنات اور مسلمانانِ عالم کے لیے قابلِ فخر ہستی۔

2۔ تیرے نغمے روح الامین جبرئیل کی طرح زندگی بخش ہیں۔ اور تیرے روح افزا پیام سے روح الامین جبرئیل بھی حیران ہیں۔

3۔ ہندوستان کی مسلم قوم خوابِ غفلت میں مدہوش تھی اور ہندوستان کا گمنام مسلمان خود اپنے سے بے خبر تھا۔

4۔ ملتِ اسلامیہ تیری مخلصانہ کوششوں سے دوبارہ اندھیرے سے روشنی میں آ گئی اور تیرے جاں بخش پیغام سے دوبارہ زندہ ہوگئی۔

5۔ تیری آواز سے ملت مسلمہ کے دل میں خودی بیدار ہوگئی اور تیرے شعر نے قوم کے قافلے کے لیے ترانہ خودی کا کام دیا۔

6۔ تو نے اِس قوم کے قافلے کو از سرِ نو رواں دواں کر دیا اور خوابِ غفلت سے جگا کر نیند کو دور کر دیا۔

7۔ تیرے شعر نے مشرق کو پیامِ مشرق کے ذریعے مشرقین بنا دیا' اور دنیا کے صاحبانِ فکر و نظر کے لیے تو آنکھوں کا نور بن گیا۔

8۔ تیرے پیامِ مشرق سے روحِ مغرب سرشارِ مسرت ہوگئی۔ اور تیرے دیوان بالِ جبرائیل کی روح الامین جبرئیل نے بھی داد دی۔

9۔ اے جادو بیاں شاعر اور یکتا فلسفی عصر اور مکمل عارف اور اسرارِ حیات کے واقف!

10۔ پاکستان کا تصور تیرے دل کی سیپی میں موتی کی طرح چھپا ہوا تھا، جس کو قائداعظم نے اپنے مزاجِ جمیلہ سے سیپی سے باہر نکال کر پاکستان کا نام دیا۔

11۔ مسلمان تیرے زیرِ بارِ احسان ہیں اور اے فکرِ عجم! ہم سب تیرے احسان مند ہیں۔

12۔ تیرے اشعار دینِ اسلام کی حکمت اور حقیقت کے آئینہ دار ہیں۔ اور تیرا محبوب وہی ہے جو رب العالمین کا محبوب ہے یعنی حضور نبی پاک ﷺ ہیں۔

13۔ اے عصرِ حاضر کے رومی اور اے کائنات کے رازدار' تو نے اِس کائنات کے اندرونی راز اور حقیقتوں کو ظاہر کر دیا۔

14۔ اس دنیا میں اقبال کا کلام انسانیت کے لیے سبق آموز ہے اور اِس زمانے میں امن و سلامتی کا پیغام ہے۔

15۔ اس پریشاں دور اور شر سے بھرپور زمانے میں حقیقت تو یہ ہے کہ اقبال کا شعر انسان کے دکھ اور درد کی دوا ہے۔

16۔ اے یکتائے زمانہ اقبال' تیری روح شاد اور خرم رہے اور تیرا نام تمام دنیا میں ہمیشہ آباد اور قائم رہے۔

17۔ اے بلند تر اور شریں کلام شاعر' شمس کا دل تیرے کلام سے روشن اور حکیمانہ ارشادات سے مالا مال ہوگیا۔